ولی کامل، استاذ العلماء والصلحاء

شیخ التفسیر والحدیث

حضرت مولانا

خادم حسین شجاع آبادی

مہتمم جامعہ ھذا

ابو عبید حفظہ اللہ

اَللّٰھُمَّ اَدْخِلْهُ عَلَيْنَا بِالْاَمْنِ وَالْاِيْمَانِ ، وَالسَّلَامَةِ وَالْاِسْلَامِ

وَرِضْوَانٍ مِنَ الرَّحْمٰنِ ، وَجِوَارٍ مِنَ الشَّيْطَانِ

اے اللہ اس چاند کو ہمارے اوپر امن، ایمان، سلامتی اور اسلام کے ساتھ

اور رحمن کی رضامندی اور شیطان کے بچاؤ کے ساتھ داخل فرما

نیا سال مبارک

جامعہ عثمانیہ گلشن بلاک لاہور کا ترجمان

نوائے خادم

جمعیت طلباء عثمانیہ

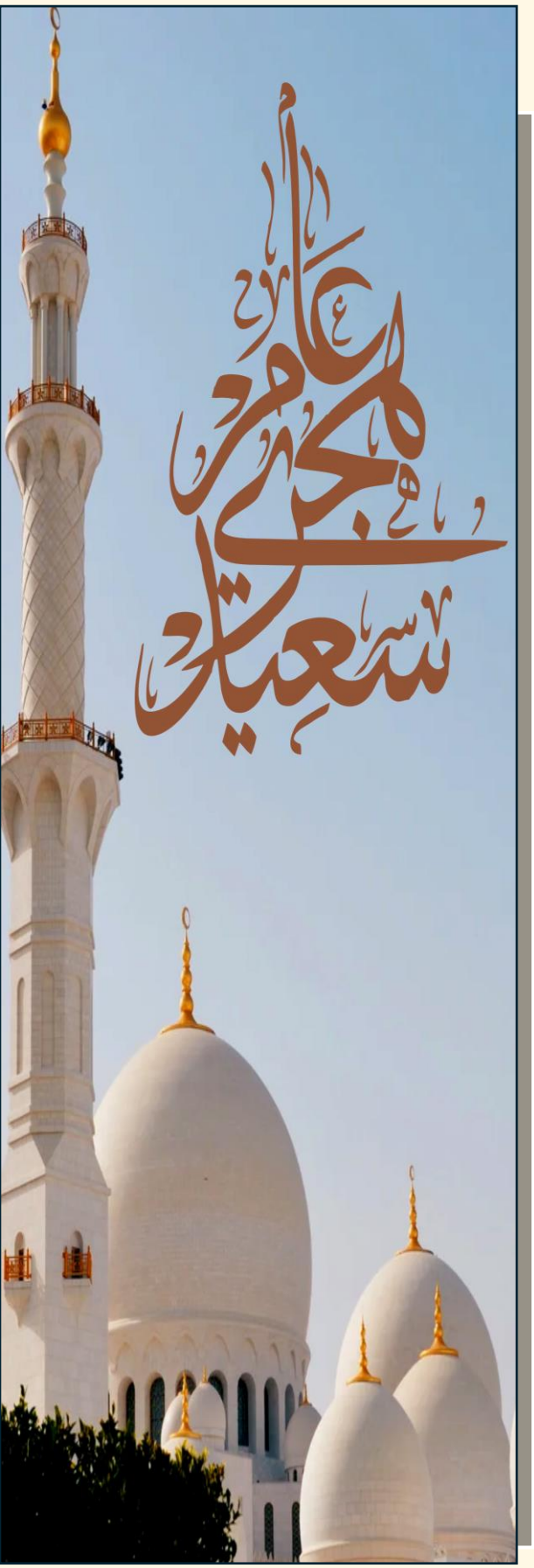

نوائے خادمِ اراکین

بیاد

- مہر احمد بخش مرحوم
- مولانا یسین احمد عثمانیؒ
- مولانا محمد حفظ الرحمن فاروقیؒ

زیر سرپرستی

شیخ الحدیث والتفسیر

حضرت مولانا خادم حسین صاحب

دامت برکاتہم العالیہ

زیر نگرانی

- حضرت مولانا احمد قاسمی صاحب
- مفتی ناصر الدین مظاہری صاحب

مدیر اعلیٰ

حضرت مولانا محمد عبید الرحمن صدیق صاحب

مدیر

مولانا محمد داؤد الرحمن علی صاحب

مدیر معاون

مولانا سہیل نواز عثمانی صاحب

مجلس مشاورت

- مولانا شوکت علی اعوان صاحب
- مولانا محمد اکرم عثمانی صاحب
- مفتی محمد شمس الرحمن عثمان صاحب
- قاری محمد عبید اللہ صاحب
- ڈاکٹر مفتی عتیق الرحمن صاحب
- مولانا عبد اللہ ہزاروی صاحب
- مولانا عمیر نواز صاحب
- ڈاکٹر محمد عثمان غنی صاحب
- قاری محمد اسلام صاحب
- صاحبزادہ حافظ محمد قاسم اسامہ صاحب

Islamic New Year

1 Muharram

1447 HIJRIYAH

فہرست مضامین

اداریہ	04
درس قرآن	07
درس حدیث	09
حمد باری تعالیٰ	11
نعت رسول مقبول ﷺ	12
حضرت انس بن مالکؓ	13
حضرت عمرؓ و حضرت حسین	17
حضرت حسینؓ بن علیؓ	19
فضائل شعبان	26
شذرات علمیہ	34
پیارے عمرؓ	37
اہل بیتؓ کون۔۔؟	38
کتاب دوستی اور ہمارے اسلاف	40
مترادفات القرآن	49
ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحشؓ	54
جب خواب وفا مانگتے ہیں۔	63

اداریہ

محمد داؤد الرحمن علی (مدیر مجلہ نوائے خادم)

ایک بار پھر اللہ رب العزت کی بے پایاں رحمت اور کرم سے ہمیں نیا اسلامی سال نصیب ہوا۔ ہجری سال کا آغاز صرف تاریخ میں ایک نیا ورق پلٹنے کا موقع نہیں بلکہ یہ ہمارے ایمان، عمل، اور فکر کے نئے باب کا آغاز بھی ہے۔ یہ وہ لمحہ ہے جب ہمیں رُک کر غور و فکر کرنا چاہیے کہ گزشتہ سال میں ہم نے کیا حاصل کیا، کیا کھویا، اور آئندہ سال میں اپنے رب کے ساتھ اپنے تعلق کو کیسے مضبوط کریں گے۔

ہجرت کا وہ عظیم واقعہ، جس پر ہجری کیلنڈر کی بنیاد رکھی گئی، ہمیں قربانی، صبر، اخلاص اور مکمل توکل کی عظمت کا درس دیتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی مدینہ ہجرت ایک نیا سفر، نئی امید اور دین کی سربلندی کا آغاز تھا۔ اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ دین کی راہ میں قربانی دینا اور نیک مقاصد کے لیے ہر رکاوٹ کو عبور کرنا ہی حقیقی کامیابی ہے۔

آج کا ہمارا چیلنج یہ ہے کہ ہم تیز رفتار دنیا میں روحانی اور اخلاقی قدروں کو کیسے زندہ رکھیں۔ مادی ترقی کے باوجود ہم اخلاقی اور معاشرتی بحران کا شکار ہیں۔ ہجری سال کا آغاز ہمیں یہ پیغام دیتا ہے کہ ہمیں اپنی زندگی کے ہر لمحے کو اللہ کی رضا کے لیے وقف کرنا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ارشاد ہے:

”وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ، وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَىٰ، ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الْأَوْفَىٰ۔“(سورة النجم: 39-41)

ترجمہ: ”اور ہر انسان کے لیے صرف وہی ہے جس کی کوشش خود اس نے کی، اور بیشک اس کی کوشش عنقریب دیکھی جائے گی، پھر اسے پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔“

یہ آیات ہمیں یاد دلاتی ہیں کہ ہمارے اعمال کی قدر و قیمت اللہ تعالیٰ کے ہاں ہماری اپنی محنت اور نیت کے مطابق ہے۔ جو کوشش ہم اللہ کی راہ میں کرتے ہیں، اس کا پورا پورا صلہ ہمیں دیا جائے گا۔ اس لیے ہر دن اپنی زندگی کو مفید بنانے کی کوشش کریں۔

نبی کریم ﷺ نے خود احتسابی کی اہمیت کو اجاگر کیا:

''حَاسِبُوا أَنْفُسَكُمْ قَبْلَ أَنْ تُحَاسَبُوا.''(سنن ترمذی: 2459)

ترجمہ: ''تم خود اپنا حساب کرو اس سے پہلے کہ تم پر حساب کیا جائے۔''

خود احتسابی کا عمل ہمیں اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کو پہچاننے، انہیں سدھارنے اور نیکیوں کو بڑھانے کا موقع دیتا ہے۔ یہی عمل ہمیں آخرت میں کامیابی کی راہ دکھاتا ہے۔

نبی ﷺ نے زندگی کی نعمتوں کو ضائع نہ کرنے کی ہدایت فرمائی:

''اغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ: شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ، وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سَقَمِكَ، وَغِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ، وَفَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ، وَحَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ.''(مستدرک حاکم: 7846، مشکاۃ المصابیح: 5302)

ترجمہ: ''پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو: اپنی جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، اپنی صحت کو بیماری سے پہلے، اپنے مال کو فقر سے پہلے، اپنے فراغت کو مصروفیت سے پہلے، اور اپنی زندگی کو موت سے پہلے۔''

یہ حدیث ہمیں زندگی کی مختصر اور قیمتی نعمتوں کی اہمیت سمجھاتی ہے کہ ہر لمحہ اللہ کی رضا کے حصول کے لیے قیمتی ہے۔ وقت ضائع کرنے والا اپنی سب سے بڑی نعمت کھو رہا ہوتا ہے۔

ہجری سال کے آغاز پر اصحاب رسول ﷺ یہ دعا پڑھتے تھے:

''اللَّهُمَّ أَدْخِلْهُ عَلَيْنَا بِالْأَمْنِ وَالْإِيمَانِ، وَالسَّلَامَةِ وَالإِسْلَامِ، وَرِضْوَانٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ، وَجِوَارٍ مِّنَ الشَّيْطَانِ.''(المعجم الأوسط للطبرانی: 6241)

ترجمہ: ''اے اللہ! اس نئے مہینے کو ہمارے لیے امن، ایمان، سلامتی، اسلام، رحمت کی رضا اور شیطان کی پناہ کے ساتھ داخل فرما۔''

یہ دعا ہمیں یاد دلاتی ہے کہ نیا سال اللہ کی حفاظت، امن اور ایمان کے ساتھ شروع کرنا چاہیے تاکہ ہم برائیوں اور شیطان کے وسوسوں سے بچ سکیں اور اپنے ایمان کو مضبوط بنا سکیں۔

ہمارا عملی لائحہ عمل

نیا اسلامی سال ہمیں دو اہم کام کرنے کی دعوت دیتا ہے:

پہلا: ماضی کا محاسبہ

ہمیں اپنی زندگی کا جائزہ لینا چاہیے کہ گزشتہ سال میں ہم نے کیا اچھا کیا اور کہاں کہاں غلطیاں ہوئیں۔ عبادات، اخلاق، معاملات، اور اللہ و بندوں کے حقوق کی ادائیگی میں اپنی کارکردگی کا جائزہ لے کر ہمیں اپنی کمزوریوں کو سدھارنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

دوسرا: مستقبل کی منصوبہ بندی

اپنے تجربات کی روشنی میں نیکیوں کو بڑھانے اور گناہوں سے بچنے کا عزم کرنا چاہیے۔ یہ عزم نہ صرف ذاتی زندگی بلکہ معاشرتی، اخلاقی اور دینی میدانوں میں بھی ہونا چاہیے تاکہ ہماری زندگی کے ہر پہلو میں اصلاح ہو۔

آخر میں یہ نیا سال ہمیں ایک نئی روح، ایک نیا عزم اور اللہ کی رضا کی تلاش میں ایک نیا سفر شروع کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ فضولیات، اسراف، اور بے راہ روی سے بچیں، توبہ و استغفار کا اہتمام کریں اور اپنی زندگی کو اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کے دائرے میں لائیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس نئے سال میں خیر و برکت، سلامتی، استقامت اور کامیابی سے نوازے، اور ہمیں اپنے بندوں کے حق میں بہتر کردار ادا کرنے کی توفیق دے۔ آمین یارب العالمین۔

درس قرآن

حضرت مولانا خادم حسین صاحب دامت برکاتہم

سورۃ البقرۃ مدنیہ

ترتیب نزولی: ۸۷ ترتیب قرآنی: ۲ آیات: ۲۸۶ رکوعات: ۴۰

ربط

ربط اوّل: فاتحہ میں تین گروہوں کا اجمالاً بیان تھا، اب بقرہ میں ان کی تفصیل ہے۔

(۱) **منعم علیہم** کا بیان شروع سے **مفلحون** تک۔ (۲) **مغضوب علیہم** کا بیان **ان الذین کفروا** سے **عذابٌ عظیم** تک، (۳) **ضآلّین** کا بیان **ومن الناس** سے لے کر **علٰی کلّ شیئٍ قدیرٌ** تک پورا دوسرا رکوع ہے۔

ربط دوم: فاتحہ میں توحید کا اقرار تھا **ایاک نعبد وایاک نستعین** میں، اب سورۃ بقرہ میں اس دعویٰ کو تین جگہ مبرہن کیا گیا۔ اول **یاایہا الناس اعبدوا** (آیۃ ۲۱) ثانی **والٰہکم الٰہٌ واحدٌ** (آیۃ ۱۶۳) ثالث **اللہ لا الٰہ الّا ہوالحی القیوم۔** (۲۵۵)

ربط سوم: فاتحہ میں صراطِ مستقیم کی درخواست تھی، بقرہ میں اس کی منظوری ہے کہ یہ ساری کتاب سرچشمۂ ہدایت ہے، اسے پڑھو اور عمل کرو۔

خلاصہ

توحید چار بار، رسالت، جہاد چھ بار، ترغیب جہاد سات بار، امورِ انتظامیہ ۱۵، انفاق فی سبیل اللہ ۸ بار، امورِ مصلحہ ۳ بار، دو شبہات مع جوابات، پانچ ذو جہتین مسائل، پانچ شکوے، تمہید جس میں ترغیب الی القرآن، متقین کی پانچ صفات اور دو انعام، کفار کا ذکر اور مہر جبّاریّت، تذکرات ثلاثہ، معاملات، منافقین کے قبائح اور امثال مذکور ہیں۔ آیت ۳۰ تا ۳۹ نوریوں، ناریوں اور خاکیوں کی الوہیت کی نفی ہے، ۴۰ تا ۴۶ بنی اسرائیل کو آٹھ اوامر چار نواہی، آیت ۴۷ تا ۹۰ بنی اسرائیل کی پانچ انواع کا بیان ہے، آیت ۴۷ تا ۶۱ میں نوعِ اوّل پر آٹھ انعام اور دو عذاب کا بیان ہے، ۶۲ تا ۸۱ میں نوعِ ثانی کی تین خباثتوں اور پانچ گروہوں کا بیان ہے، ۸۲ تا ۸۶ میں نوعِ ثالث کی دو خباثتوں کا بیان ہے، ۸۷، ۸۸ میں نوعِ رابع کی سنگ دلی کی دو مثالیں اور مہر جبّاریّت کا ذکر ہے، ۸۹ اور ۹۰ میں نوعِ خامس کی تکذیبِ رُسل اور ان کے بغض و عناد کا ذکر ہے۔ ۹۱ سے ۹۳ تک یہود کے قولِ باطل کی پانچ طرح تردید ہے، ۹۳ تا ۱۰۰ میں دعوتِ مباہلہ اور یہود کے تین شبہات مع جوابات کا بیان ہے، ۱۰۴ میں آدابِ رسول اور کلماتِ موہّمہ شرک سے اجتناب، آخر میں مدو قاعدے، مختصر خلاصہ اور روحِ سورت کا بیان ہے۔

حضرت مولانا خادم حسین صاحب دامت برکاتہم

خصوصیاتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم أُعْطِيْتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ نَبِيٌّ قَبْلِيْ وَلَا اَقُوْلُهٗ فَخْرًا بُعِثْتُ اِلَى النَّاسِ كَآفَّةً الْاَحْمَرَ وَالْاَسْوَدَ وَكَانَ النَّبِيُّ قَبْلِيْ يُبْعَثُ اِلٰى قَوْمِهٖ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ اَمَامِيْ مَسِيْرَةَ شَهْرٍ وَاُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَآئِمُ وَلَمْ تَحِلَّ لِاَحَدٍ قَبْلِيْ وَجُعِلَتْ لِيَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَطُهُوْرًا وَاُعْطِيْتُ الشَّفَاعَةَ فَاَخَّرْتُهَا لِاُمَّتِيْ فَهِيَ لِمَنْ لَّا يُشْرِكُ بِاللهِ شَيْئًا۔
(کنزالعمّال: ۱۹۷/۱۱ حصہ ۱۱ ج ٦ نشر السنۃ ملتان)

آپ علیہ السلام نے فرمایا مجھے ایسی پانچ چیزیں دی گئی ہیں جو پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں، میں فخر سے نہیں کہتا، میں تمام سرخ وسیاہ لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہوں، مجھ سے پہلے نبی کو اس کی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا۔ مجھے ایک مہینہ کی مسافت پر موجود دشمن پر رعب دیا گیا، میرے لئے مالِ غنیمت حلال کیا گیا جو پہلے کسی پر حلال نہ تھا۔ میرے لیے تمام زمین کو مسجد اور طہور (پاک/پاکیزہ) بنایا گیا۔ مجھے شفاعت کا حق دیا گیا میں نے اسے اپنی امت کے لئے رکھا ہے۔ پس وہ شفاعت (صرف) اس شخص کے لئے ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔

اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْاَرْضُ وَلَا فَخْرَ وَاَوَّلُ شَافِعٍ وَمُشَفَّعٍ لِوَائُ الْحَمْدِ بِيَدِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَحْتَهٗ آدَمُ فَمَنْ دُوْنَهٗ۔ (کنزالعمال ج ٦ ص ۱۹۳ حصہ ۱۱)

بغیر فخر کے کہتا ہوں کہ میں قیامت کے دن تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں گا اور میں سب سے پہلے قبر سے باہر آئوں گا اور سب سے پہلے سفارش کرنے والا ہوں گا اور سب سے پہلے میری سفارش قبول ہو گی، حمد کا جھنڈا قیامت کے دن میرے ہاتھ میں ہو گا اور

آدم علیہ السلام سے لے کر تمام لوگ میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے یعنی میں قائد ہوؤں گا۔ یہ روایت عبداللہ بن سلام سے منقول ہے۔(طبرانی)

عن انس قَالَ اِذَا كَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كُنْتُ اَوَّلَ مَنْ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ عَنِّیْ وَلَا فَخْرَ وَيَتَّبِعُنِیْ بِلَالٌ الْمُؤَذِّنُ وَيَتَّبِعُهٗ سَائِرُ الْمُؤَذِّنِيْنَ وَهُوَ وَاضِعٌ يَدَهٗ فِیْ اُذُنِهٖ وَهُوَ يُنَادِیْ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ اَرْسَلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۔ وَسَائِرُ الْمُؤَذِّنِيْنَ يُنَادُوْنَ مَعَهٗ حَتّٰی نَاتِیَ اَبْوَابَ الْجَنَّةِ۔ (كنزالعمال ج٦ ص١٩٥ حصہ ١١)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جب قیامت کا روز ہو گا سب سے پہلے میں قبر سے نکلوں گا (فخر سے نہیں کہتا) میرے پیچھے مؤذن بلال ہوں گے اور ان کے پیچھے تمام مؤذن ہوں گے۔ حضرت بلالؓ کانوں میں انگلی دے کر پکارے گا: اشھدان لَّااِلٰہ اِلَّااللہ یعنی میں اللہ کی توحید اور محمد رسول اللہ کی رسالت کی گواہی دیتا ہوں اللہ نے انہیں دین حق اور ہدایت دے کر بھیجا ہے تاکہ اس کو تمام ادیان پر غالب کرے اگرچہ مشرکین پسند نہ کریں، باقی تمام مؤذن بھی ان کے ساتھ یہی آواز لگا رہے ہوں گے یہاں تک کہ ہم جنت کے دروازے پر آجائیں گے۔

تین
طاقتور
دعائیں
دل کی اصلاح کے لیے
اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ قَلْبِيْ
اے اللہ! میرے دل کی اصلاح فرما۔
کامیابی کے لیے
اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ
اے اللہ! مجھے کامیاب لوگوں میں شامل فرما۔
نیک بننے کے لیے
اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ الصَّالِحِيْنَ
اے اللہ! مجھے نیک لوگوں میں شامل فرما۔

حمد باری تعالیٰ

ایم راقم نقشبندی

پھولوں میں گلزاروں میں
رنگ برنگ نظاروں میں
شمس و قمر اور تاروں میں
صبح و مسا کی بہاروں میں
غاروں میں کہساروں میں
دریاؤں کی قطاروں میں
چڑیوں کی چہکاروں میں
خَلقت کے نظّاروں میں
اَحَد صَمَد ہے ذکر ترا
یکتائی میں تو ہی تو
اللہ ہو اللہ ہو اللہ ہو اللہ ہو

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ایم راقم نقشبندی

حسنِ سرکار پہ اُترا ہوا قرآں دیکھیں
یعنی خود مدح سرا شاہ کا یزداں دیکھیں

کہتے ہوں گے کھڑے سدرا پہ یوں جبریلِ امیں
جایئے جانبِ جاناں رخِ جاناں دیکھیں

ہم انھیں رو کے دیکھائیں تو وہ چپ کروائیں
رات ایسی ہو کوئی جس میں یہ سُپناں دیکھیں

اپنے در پر ہمیں بلوایئے پیارے آقا
حسرتِ دید ہے ہم زیست کا ساماں دیکھیں

اپنے قدموں میں بٹھا کر وہ سنیں نعت اپنی
اور ہم ان کی نگہ، دامنِ مژگاں دیکھیں

مدحتِ سیدِ ابرار مرے بس میں کہاں
جو لکھا فیضِ کریمی ہے نمایاں دیکھیں

زائرینِ شہِ بطحا سے کہا یوں، راقم
کہنا آقا سے، ہیں کچھ حالِ پریشاں دیکھیں

حضرت انس بن مالکؓ

مولانا محمد اکرم عثمانی صاحب

نام ونسب:

انس بن مالک بن النضر بن ضمضم بن زید محدث مفتی ابوحمزہ انصاری، خزاعی، مدنی۔(اسد الغابۃ ج1ص177،الاستیعاب ص90، سیر اعلام النبلاء ج4ص202)

خدمت رسول اللہ ﷺ:

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو اس وقت میں دس سال کا تھا۔ سعید بن مسیبؒ کی روایت میں ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو اس وقت میری عمر 8 برس تھی تو میری ماں (ام سلیمؓ) مجھے نبی اکرم ﷺ کے پاس لے گئیں اور عرض کی: یارسول اللہ! انصار کے مردوں اور عورتوں نے آپ کو تحائف پیش کیے اور میرے پاس میرے اس بچے کے علاوہ کوئی چیز نہیں تھی جو میں آپ ﷺ کو بطور تحفہ کے پیش کرتی میرے اس بچے کو قبول فرما لیں یہ آپ ﷺ کی خدمت کیا کرے گا۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں:

فخدمت رسول الله صلى الله عليه وسلم عشرين سنين لم يضربنى ولم يسبنى ولا يعبس فى وجهى،

یعنی 10 برس میں نے آپ ﷺ کی خدمت کی اس پورے عرصے میں کبھی بھی مجھے آپ ﷺ نے مارا نہ گالی دی اور نہ اپنے چہرے میں شکم لے آئے (تیوری چڑھائی) (سیر اعلام النبلاء ج4 ص204، تہذیب الکمال للمزی ج1 ص579)

نبی کریم ﷺ کی دعا:

حضرت سیدنا انسؓ فرماتے ہیں کہ میں چھوٹا تھا مجھے میری ماں آپ ﷺ کی خدمت میں لے گئیں اور کہا یا رسول اللہ ﷺ یہ آپ کا چھوٹا سا خادم ہے اس کے لیے دعا کریں نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی۔

''اللهم اكثر ماله وولده وادخله الجنة.''

''اے اللہ! انس کے مال میں اور اولاد میں برکت دیں اور اس کو جنت میں داخل کرنا۔''

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کثرت مال اور اولاد کی دعا تو پوری ہوگئی کہ میرا باغ سال میں دو مرتبہ پھل لاتا ہے اور میری اولاد 106 اور دوسری روایت میں 78 بیٹے اور 2 بیٹیاں اور تیسری دعا کے پورا ہونے کی امید کرتا ہوں۔(البدایہ ج5 ص109، الاستیعاب ص91)

ایک اور روایت میں "واطل حیاتہ" کے الفاظ بھی آئے ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا اے اللہ اس کی عمر بھی لمبی اور دراز فرما تو اللہ تعالیٰ نے ان کی عمر میں برکت دی کہ 103 برس میں وفات ہوئی۔(سیر اعلام النبلاء ج4 ص204، اسد الغابۃ ج1 ص179)

ہر رات زیارت رسول اللہ ﷺ:

حضرت مثنیٰ ابن سعیدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا:

''مامن ليلة الا وانا ارى فيها ،حبيبى رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم يبكى.''(البدایہ ج5ص109،سیر اعلام النبلاء ج4ص206)

کوئی ایسی رات نہیں گزری جس میں میں نے اپنے محبوب مدنی کریم ﷺ کو نہ دیکھا ہو۔

تعداد روایات:

حضرت انس بن مالکؓ مفتی ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے زمانے کے بہت بڑے محدث بھی تھے ان کا شمار کثیر الروایات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں ہوتا ہے۔ جیسا کہ امام ابن الاثیر جزریؒ نے آپ کے کثیر الروایات ہونے کی طرف اشارہ اپنی کتاب اسد الغابہ میں ان الفاظ "وہو من المکثرین فی الروایۃ عن رسول اللہ ﷺ" میں کیا ہے۔ (اسد الغابۃ ج1 ص178)

اور علامہ ذہبیؒ نے اپنی مشہور کتاب سیر اعلام النبلاء میں آپ کے متعلق کثیر الروایات ہونے کی تصریح ان الفاظ **" الفان ومائتان وستۃ وثمانون"** سے کی ہے۔ یعنی 2286 روایات حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہیں۔ ان میں سے 180 احادیث پر امام بخاری اور امام مسلم رحمہا اللہ کا اتفاق ہے یعنی دونوں نے ان کو اپنی اپنی کتاب میں درج کیا ہے اور 80 احادیث ان کے علاوہ امام بخاریؒ اپنی کتاب صحیح بخاری اور 90 احادیث امام مسلمؒ اپنی کتاب صحیح مسلم میں لائے ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء ج4 ص207)

انس بن مالکؓ سیدنا ابو ہریرہؓ کی نظر میں:

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں:

"مارایت احدا اشبہ صلاۃ برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ابن ام سلیم یعنی انساً۔"

کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے زیادہ مشابہ نماز پڑھنے والا ام سلیم کے بیٹے انس کے علاوہ کسی کو نہیں دیکھا۔ (تہذیب الکمال للمزی ج1 ص578)

سن اور مقام وفات:

خادم رسول اللہ ﷺ سیدنا انس بن مالکؓ وہ چراغ علم ہیں جن سے دنیا والے 93 برس اپنے علم کی شمع جلاتے اور تاریکیوں کو روشنی سے بدلتے رہے ان کے دنیائے فانی کو خیر باد کہنے کے سن کے متعلق 3 قول ہیں۔

- 91ھ
- 92ھ
- 93ھ

آخری قول مشہور ہے اور یہی جمہور کا قول ہے اس حساب سے آپ کی کل عمر 103 برس بنتی ہے۔

آپؓ کی وفات پر امام مورق رحمہ اللہ نے فرمایا:

”ذہب الیوم نصف العلم۔“

کہ آج آدھا علم رخصت ہو گیا۔(تہذیب الکمال للمزی ج1ص582،البدایہ ج5ص112)

خادم رسول اللہ ﷺ سیدنا انسؓ کی نماز جنازہ:

آپ رضی اللہ عنہ کی نماز حضرت قطن بن مدرک الکلابیؒ نے پڑھائی۔(اسد الغابہ ج1ص129،الاستیعاب ص91)

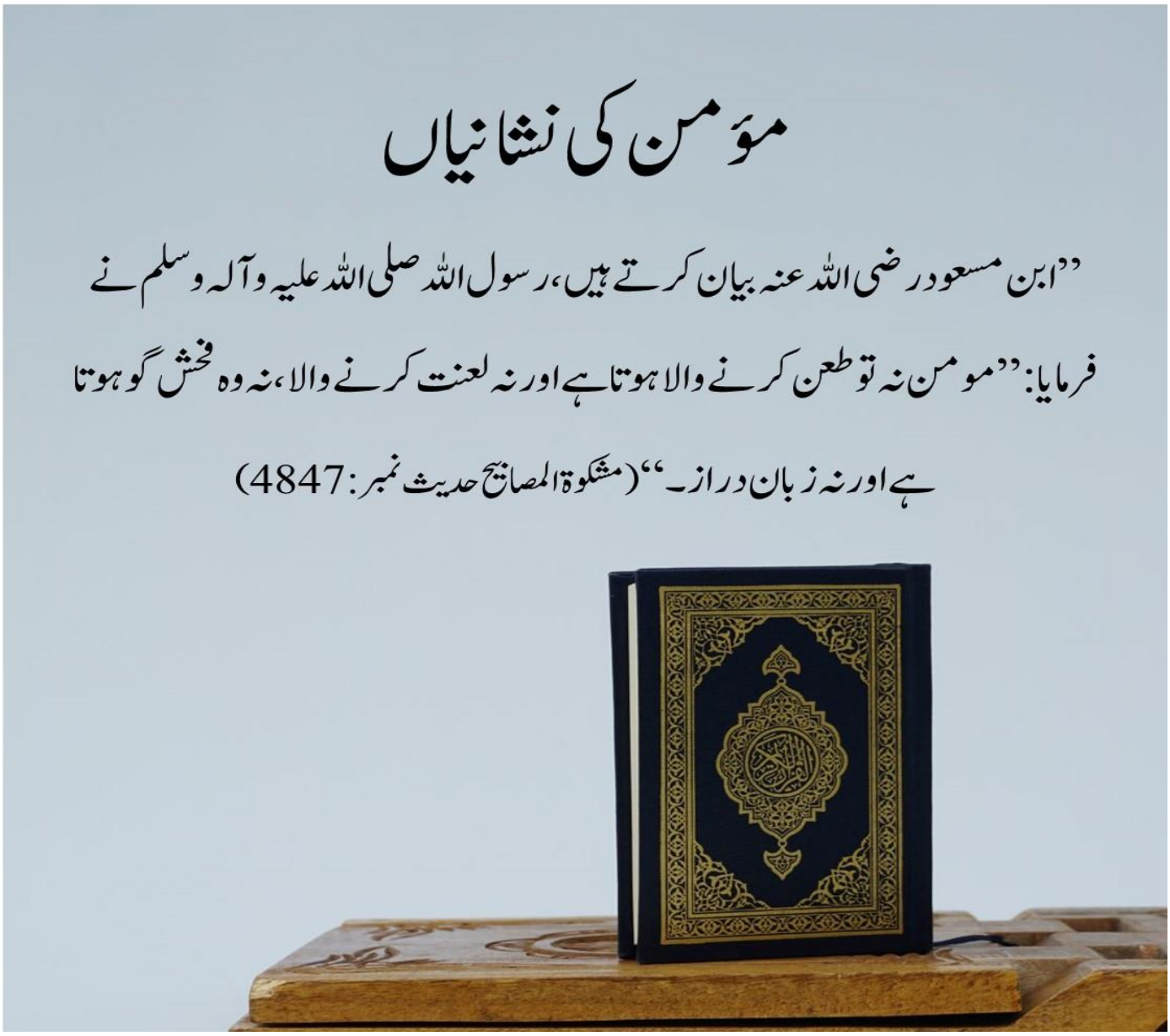
مؤمن کی نشانیاں
”ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
فرمایا: ”مومن نہ تو طعن کرنے والا ہوتا ہے اور نہ لعنت کرنے والا، نہ وہ فحش گو ہوتا
ہے اور نہ زبان دراز۔“ (مشکوۃ المصابیح حدیث نمبر: 4847)

حضرت عمر فاروقؓ، حضرت حسینؓ

مولانا محمد عبید الرحمن صدیق

اسلام کی تاریخ میں دو ایسے نام ہیں جو عدل، قربانی، اور محبت کی اعلیٰ مثالیں ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، جو حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والے، اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ، جو حق کے لیے اپنی جان کا نذرانہ دینے والے، ہمیشہ ہمارے دلوں میں زندہ رہیں گے۔ ان کی زندگیوں کی روشنی آج بھی ہمیں سچائی اور محبت کی راہ دکھاتی ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ: عدل و انصاف کا مینار

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا لقب "فاروق" ہی ان کی شخصیت کی دلیل ہے۔ آپ نے اپنی زندگی کو اللہ کی راہ میں قربان کیا اور عدل و انصاف کا ایسا معیار قائم کیا جو آج بھی دنیا کے لیے مشعل راہ ہے۔

آپ کی حکومت میں کوئی بھی مظلوم ناانصافی کا شکار نہ ہوا، چاہے وہ امیر ہو یا غریب۔ آپ نے فرمایا:

"میں اللہ کے سامنے جوابدہ ہوں۔" (صحیح بخاری)

حضرت عمر کی خشیتِ الٰہی اور تقویٰ ایسی تھی کہ آپ راتوں کو اپنے رب کے حضور حاضر ہو کر استغفار کرتے، اور اپنی رعایا کے لیے دن رات فکر مند رہتے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ: قربانی کی لازوال مثال

حضرت حسین رضی اللہ عنہ، رسول اللہ ﷺ کے دل کے ٹکڑے، نے کربلا کی وادی میں حق اور انصاف کی خاطر اپنی جان قربان کر دی۔آپ کی شہادت نے ظلم و ستم کے خلاف ایک ایسا چراغ جلادیا جو آج بھی ہر دل کو جگمگا دیتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"حسین میرے دل کا ٹکڑا ہے، جو اس کا حق کرے گا، میں اس کا حق ادا کروں گا۔" (صحیح مسلم)

کربلا کے دنوں میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے نہ صرف اپنی جان کا نذرانہ دیا بلکہ صبر و شجاعت کی ایسی مثال قائم کی جو ہر مسلمان کے لیے باعث فخر ہے۔

آپسی محبت اور رشتہ: ایک مقدس بندھن

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے درمیان محبت، عزت اور احترام کا رشتہ ایسا تھا جو اسلام کی روح کو ظاہر کرتا ہے۔ حضرت عمر نے ہمیشہ اہل بیت کی عزت کو اپنی عزت سمجھا اور حضرت حسین کی حفاظت میں کوئی کمی نہ چھوڑی۔

ایک مرتبہ حضرت عمر نے فرمایا:

"حسین میرے دل کا حصہ ہے، اور اس کی عزت میری عزت ہے۔" (الاستیعاب)

یہ محبت ہمیں سکھاتی ہے کہ حقیقی ایمان میں رشتہ داری اور محبت کیسی ہو، اور کیسے ہمیں ایک دوسرے کا خیال رکھنا چاہیے۔

خلاصہ کلام

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی زندگیوں سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ عدل، محبت، قربانی، اور بھائی چارہ اسلام کے وہ ستون ہیں جن کے بغیر کوئی معاشرہ قائم نہیں رہ سکتا۔ان کے کردار ہمارے لیے مشعل راہ ہیں، جو ہمیں سکھاتے ہیں کہ ہم اپنی زندگیوں کو کیسے بہتر بنا سکتے ہیں۔

یہ دو بزرگ ہمیں یاد دلاتے ہیں کہ حق کی راہ پر چلنا، محبت بانٹنا، اور قربانی دینا ہی وہ چیزیں ہیں جو ہمیں اللہ کے قریب لے جاتی ہیں۔

حضرت حسین بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما

مفتی محمد شمس الرحمن عثمان

نواسۂ رسول، شہیدِ کربلا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں ہے۔آپ رضی اللہ عنہ خاتونِ جنت حضرت فاطمۃ الزہراءؓ اور شیرِ خدا خلیفۂ چہارم سیدنا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کے لختِ جگر اور نواسۂ پیغمبر علیہ السلام ہیں۔

سیدنا حضرت فاطمہؓ کو حق تعالیٰ نے تین بیٹوں: حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ اور حضرت محسن رضی اللہ عنہم، اور دو بیٹیوں سیدہ زینبؓ اور سیدہ ام کلثومؓ سے نوازا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ آپ کی اولادِ امجاد میں دوسرے نمبر پر ہیں۔

نام ونسب

آپ کا اسمِ گرامی حسینؓ، کنیت ابو عبداللہ اور لسانِ نبوت سے ملنے والے القاب ''سید شباب أہل الجنۃ'' اور ''ریحانۃ النبي'' ہیں۔

(البدایۃ والنہایۃ: ۱۶۰/۸)

ولادت باسعادت

آپ کی تاریخِ پیدائش میں مؤرخین کے مختلف اقوال ہیں: تاریخ ابن کثیر میں ۳، ۴ اور ۶ ہجری کا قول درج ہے، جبکہ شاہ معین الدین ندویؒ نے ۴ ہجری اور مولانا منظور احمد نعمانی رحمہ اللہ نے ۵ ہجری لکھا ہے۔

سیدہ خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کی گود جب سبطِ رسول خوشبوئے نبوت سے مہکی تو آنحضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس تشریف لائے، اپنے نومولود کو اپنے دستِ مبارک میں اُٹھایا، گھٹی دی، لعابِ دہن منہ میں ڈالا اور خوب صورت نام "حسین" رکھا۔(ابن کثیر:۱۶۰/۸)

نیز رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے کان میں اذان دی اور ساتویں روز عقیقہ کیا۔(مستدرکِ حاکم، رقم:۴۸۲۷۔المعجم الکبیر:۹۲۶)

حضرت حسین رضی اللہ عنہ "خامس أہل الکساء" ہیں، یعنی ان پانچ مبارک شخصیات میں سے ہیں کہ آیتِ تطہیر اُترنے کے بعد جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیتِ تطہیر کے مصداق میں داخل اور شامل فرمایا۔(اسد الغابہ:۴۹۶/۱)

مستدرک للحاکم میں مفصل روایت ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یکے بعد دیگرے اپنے تین بیٹوں کا نام "حرب" رکھتے رہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبدیل فرما کر بالترتیب حسن، حسین اور محسّن رکھا اور فرمایا کہ میں نے ان کے نام حضرت ہارون علیہ السلام کے صاحبزادوں شبیر، شبر اور مشبر کے ناموں پر رکھے ہیں۔(المستدرک علی الصحیحین، رقم:۴۷۷۳۔اسد الغابہ:۴۹۶/۱)

حلیۂ مبارک

آپ کا بدن مبارک حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن کے مشابہ تھا۔(جامع الترمذی، رقم:۳۷۷۹۔البدایۃ والنہایۃ، اسد الغابۃ)

فضائل ومناقب

آپ رضی اللہ عنہ کی سب سے بڑی فضیلت یہی ہے کہ آپ نواسۂ رسول، جگر گوشۂ بتول اور شیرِ خدا رضی اللہ عنہ کے لختِ جگر اور رتبۂ صحابیت پر فائز ہیں، جو اس حسب ونسب کی فضیلت کو باعثِ نجاتِ اُخروی بنا دیتا ہے۔

جناب حضرت حسین شہیدِ کربلا رضی اللہ عنہ اپنے نانا حضرت محبوبِ رب العالمین کی محبتوں، شفقتوں اور توجہات کے محور و مرکز رہے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے ان لاڈلوں سے اُلفت وموانست اور لاڈ پیار بے مثال ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ:

”جناب حسنین کریمین رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے باہم کشتی کا کھیل کھیل رہے تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے: حسن! شاباش! جلدی کرو۔ حضرت فاطمہؓ عرض کرنے لگیں: آپ حسنؓ کو ہی کیوں شاباشیاں دے رہے ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: حسینؓ کو جبریل امین کہہ رہے ہیں کہ شاباش حسین! جلدی کرو۔“

(اسد الغابہ: ۱/۵۴۹۷)

”عن أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ، قَالَ:طَرَقْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ فِي بَعْضِ الْحَاجَةِ فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُشْتَمِلٌ عَلَى شَيْئٍ لَا أَدْرِيْ مَا هُوَ، فَلَمَّا فَرَغْتُ مِنْ حَاجَتِيْ، قُلْتُ: مَا هٰذَا الَّذِيْ أَنْتَ مُشْتَمِلٌ عَلَيْهِ؟ فَكَشَفَهُ فَإِذَا حَسَنٌ وَحُسَيْنٌ عَلَى وَرِكَيْهِ، فَقَالَ: هٰذَانِ ابْنَايَ وَابْنَا ابْنَتِيْ، اللّٰهُمَّ إِنِّيْ أُحِبُّهُمَا فَأَحِبَّهُمَا وَأَحِبَّ مَنْ يُّحِبُّهُمَا.“ (جامع الترمذی)

ترجمہ: ”حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک رات میں نے کسی کام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دروازہ کھٹکھٹایا، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے تو آپ نے کچھ اوڑھا ہوا تھا، معلوم نہیں کیا تھا، جب میں اپنے کام سے فارغ ہو گیا تو میں نے عرض کیا کہ: یہ کیا ہے جو آپ نے اُٹھا رکھا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہٹایا تو حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما آپ کی پشت مبارک پر تھے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: یہ دونوں میرے بیٹے ہیں اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں، اے اللہ! میں ان سے محبت کرتا ہوں، پس تو بھی ان سے محبت فرما اور اس سے بھی محبت فرما جو اِن دونوں سے محبت رکھے۔“

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

”رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آپ کو اہلِ بیت میں سے کس سے سب سے زیادہ محبت ہے؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: حسن و حسین سے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہؓ کو فرماتے کہ میرے بچوں کو میرے پاس بلاؤ، پھر آپ انہیں چومتے اور سینے سے لگاتے۔“ (ترمذی: ۳۷۷۲)

حضرت ابو بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ: اچانک حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما سرخ قمیصوں میں ملبوس گرتے پڑتے آ رہے تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اُترے، دونوں حضرات کو اُٹھایا اور اپنے سامنے بٹھایا اور فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے:

''إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَ أَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ.''

تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہارے لیے آزمائش ہے۔

میں نے ان بچوں کو دیکھا کہ گرتے ہوئے آرہے ہیں تو مجھ سے رہا نہیں گیا، حتیٰ کہ میں نے اپنی گفتگو روک کر اُنہیں اٹھایا۔''

(جامع ترمذی:۳۷۷۴)

یعلیٰ بن مرۃ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

''حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں (لہٰذا حسین سے محبت مجھ سے محبت ہے اور حسین سے دشمنی مجھ سے دشمنی ہے) اللہ تعالیٰ اس شخص سے محبت کرتے ہیں جو حسین سے محبت کرتا ہے۔'' (جامع ترمذی:۳۷۷۵)

''ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر یا عصر کی نماز کے لیے تشریف لائے اور آپ نے اپنے لاڈلوں حضرت حسن یا حضرت حسین رضی اللہ عنہما میں سے کسی کو اٹھایا ہوا تھا، آپ امامت کے لیے آگے بڑھے تو دائیں پاؤں کی جانب نواسے کو بٹھا دیا، پھر سجدہ کیا اور لمبا سجدہ کیا۔ حضرت شداد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے لوگوں سے سر اوپر کیا تو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو سجدے میں ہیں اور بچہ آپ کی پشت پر سوار ہے، میں دوبارہ سجدے میں لوٹ گیا، آپ k نے (نماز سے فارغ ہو کر) رخ پیچھے موڑا تو لوگوں نے عرض کی کہ: یارسول اللہ! آپ نے اپنی نماز میں آج جیسا سجدہ کیا ایسا سجدہ پہلے کبھی نہیں فرمایا، کیا کسی چیز کا حکم ہوا ہے یا کوئی وحی نازل ہوئی ہے؟ آپ نے فرمایا: ایسا کچھ بھی نہیں ہوا، لیکن میرا بیٹا مجھ پر سوار تھا تو میں نے اس بات کو ناپسند کیا کہ اُسے جلدی اُتار دوں۔'' (المستدرک للحاکم، رقم:۴۷۷۵)

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ان پیارے نواسوں کو ان خوب صورت الفاظ میں دم کر کے شیطان اور نظرِ بد وغیرہ سے اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں دیتے تھے:

''أُعِيذُكُمَا بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ، وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ.''

''میں تم دونوں کو اللہ تعالیٰ کے مکمل کلمات سے ہر شیطان، تکلیف دہ چیز اور ہر قسم کی بد نظری سے پناہ میں دیتا ہوں۔''

نیز فرماتے کہ: ''جناب حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اسی طرح اپنے صاحبزادوں حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہم السلام کو پناہِ خداوندی میں دیا کرتے تھے۔'' (صحیح البخاری، رقم:۳۳۷۱)

حضرت یعلیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

”وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک دعوتِ بعام پر گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے آگے آگے چل رہے تھے، آپ نے دیکھا کہ حسین بچوں کے ساتھ کھیل رہے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پکڑنا چاہا تو وہ ادھر اُدھر دوڑنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی (اُن کو پکڑنے کے لیے دوڑ کر) خوش طبعی کرنے لگے، حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنہیں پکڑ لیا، پھر اپنا ایک ہاتھ اُن کی گدی پر رکھا اور دوسرا ٹھوڑی کے نیچے رکھا اور ان کے دہنِ طیب پر اپنا دہن مبارک رکھ کر چومنے لگے اور فرمایا کہ: حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں اور اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتے ہیں جو حسین سے محبت کرے۔“ (المستدرک للحاکم، رقم: ۴۸۲۰)

آپ رضی اللہ عنہ خاندانِ نبوت کے چشم وچراغ اور باغِ نبوت کے مہکتے پھول تھے، جس ماحول میں آپؓ نے پرورش پائی، اس سے پاکیزہ اور اچھے ماحول کا تصور ممکن ہی نہیں ہے، چنانچہ آپؓ اخلاق، اعمال، صوم وصلاۃ، حج وزکوٰۃ، صدقہ وخیرات، اُمورِ خیر اور عبادات میں اپنی مثال آپ تھے۔

آپ کے صاحبزادے حضرت علی زین العابدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

”حضرت حسین رضی اللہ عنہ دن رات میں ایک ہزار نفل پڑھا کرتے تھے۔“ (سیر الصحابہؓ: ۴/۲۰۷)

وقار، شائستگی، تواضع اور استقلالِ رائے میں اپنی مثال آپ تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مراسم اور تعلق

مؤرخ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

”حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم آپ کی تکریم وتعظیم کیا کرتے تھے، (باوجودیکہ اس وقت تک حضرت حسین رضی اللہ عنہ صغیر السن تھے، مگر یہ جانثارانِ رسول قرابتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کیوں کر لحاظ نہ کرتے؟) پھر آپ اپنے والد گرامی قدر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے، ان کے ساتھ جنگوں میں شرکت کی، مشاجرۂ جمل اور صفین میں بھی شرکت کی، والد ماجد کی بہت توقیر کرتے تھے، ان کی شہادت تک اطاعت گزاری کی، پھر مصالحتِ سیدنا حسن با سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کو بھی تسلیم کیا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان دونوں صاحبزادوں کا خصوصی اکرام کرتے، انہیں خوش آمدید اور مرحبا کہتے، عطایا دیتے، دو لاکھ درہم تک ان کی خدمت میں پیش کرتے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ وفات پا گئے تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ ہر سال وفد کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آتے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان

کی خوب خدمت اور عزت کرتے، خلافتِ معاویہؓ میں ہونے والے غزوۂ قسطنطنیہ میں بھی آپ شریک تھے۔" (البدایۃ والنہایۃ: ۱۶۲/۸)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان صحیح بخاری میں موجود ہے:

"ارْقُبُوْا مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ أَهْلِ بَيْتِهِ." (صحيح البخاری: رقم ۳۷۵۱)

ترجمہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت میں آپ کی قرابت کا لحاظ رکھو۔"

علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت تک حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تعلقات اچھے تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی پوری کوشش تھی کہ وہ روابط جو انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہایت بہترین انداز میں قائم کر رکھے ہیں ٹوٹنے نہ پائیں۔ شیخ ابن بابویہ قمی حضرت زین العابدین رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے آخری وقت میں یزید کو جو نصیحتیں کیں، ان میں سے ایک یہ تھی:

"حقِ حرمتِ اور ابشناس و منزلت و قرابتِ اور ابا پیغمبر بیاد آورد، باکردہ ہائے او مواخذہ مکن و روابطی کہ من با او دریں مدت محکم کردہ ام قطع مکن۔" (جلاء العیون، ص: ۳۸۸، ایران)

ترجمہ: "حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے حقِ احترام کو پہچاننا اور انہیں جو قرب اور درجہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں حاصل ہے اُسے یاد رکھنا، ان کے کسی عمل پر ان سے مواخذہ نہ کرنا اور وہ تعلقات جو میں نے اب تک ان سے نہایت مضبوط کر رکھے ہیں انہیں ہر گز قطع نہ کرنا۔" (عبقات: ۱۸۵/۱)

ازواج واولاد

آپ کی ازواجِ طاہرات میں لیلیٰ، حباب، حرار اور غزالہ شامل ہیں۔ اولاد درج ذیل ہے: صاحبزادیوں میں سکینہ، فاطمہ اور زینب۔ (سیر الصحابہؓ) بیٹوں میں: علی اکبر، علی اصغر، زید، ابراہیم، محمد، حمزہ، ابو بکر، جعفر، عمر، یزید۔ (تاریخ الائمہ، للرافضۃ، ص: ۸۳)

شہادت

آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا المناک اور دردناک واقعہ ۱۰ محرم الحرام ۶۱ھ بروز جمعہ کو پیش آیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت حسین رضی اللہ عنہ، جملہ اہلِ بیتِ اطہار رضی اللہ عنہم اور خاندانِ نبوت کے تمام افراد کی محبت واُلفت عطا فرمائے اور اُن کے نقوشِ پا پر چلنے کی توفیق بخشے، آمین۔

خاندانِ نبوّت کا حسین ترین پھول
سیّدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ
شعبان سن 4 ہجری میں دامادِ رسول ﷺ، فاتحِ خیبر، شیرِ خُدا سیّدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے مبارک گھر میں نواسۂ رسول جگر گوشۂ بتول سیّدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ولادتِ باسعادت ہوئی۔
پیارے نانا جان سرکارِ دوعالم ﷺ نے پھول جیسے خوبصورت نواسے کو گود میں لیا، کانوں میں اذان دی، دستِ مبارک سے شہد چٹایا، خوب دُعائیں دیں اور "حُسین" نام رکھا۔ (مأخوذ از: سنن ابي داؤد، سنن ترمذي)

سلسلہ

شھور الاسلامیہ

فضائل شعبان

محمد داؤد الرحمن علی

''شعبان''اسلامی قمری سال کا آٹھواں مہینہ ہے۔

شعبان کا لغوی معنی:۔

''شعبان''کا لفظ "تشعب" سے ماخوذ ہے، جس کا معنی ہے بکھرنا، منتشر ہونا''شعبان''کو''شعبان''اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں عرب لوگ لوٹ مار کے لئے ادھر ادھر متفرق ہو جاتے تھے۔(تفسیر ابن کثیر:4/196،ط:مؤسسۃ قرطبۃ)

شعبان کی وجہ تسمیہ:۔

''شعبان''کا لفظ''شعب''سے بھی ماخوذ ہو سکتا ہے، جس کا معنی ہے''اجتماع''اس مہینے میں چونکہ اس مہینے میں بہت سی خیریں جمع ہوتی ہیں،اس لئے''شعبان''کو''شعبان''کہا جاتا ہے۔(عمدۃ القاري:11/116،ط:دار الکتب العلمیۃ)

ماہِ شعبان کا چاند دیکھنے کا اہتمام:۔

شعبان کے بعد چونکہ رمضان المبارک کا عظیم مہینہ آرہا ہوتا ہے اور رمضان المبارک کے روزوں کی ادائیگی چاند دیکھنے پر موقوف ہوتی ہے،اِس لئے جناب نبی کریم ﷺ خود بھی شعبان کا چاند بڑے اہتمام سے دیکھا کرتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا سے روایت ہے:جناب رسول اللہ ﷺ شعبان کی تاریخوں کو جس قدر اہتمام سے یاد رکھتے تھے،اتنا کسی اور مہینہ کی تاریخوں کو یاد نہیں رکھتے تھے پھر جب رمضان کا چاند ہوتا،تو روزے رکھتے اور اگر اس دن مطلع صاف نہ ہوتا(اور

چاند نظر نہ آتا، تو) شعبان کے تیس دن پورے کرتے اور پھر روزے رکھتے (یعنی یوم الشک میں روزہ نہ رکھتے۔) (سنن ابی داؤد، حدیث نمبر: 2325)

آپ ﷺ نے امت کو بھی شعبان کے چاند دیکھنے کا اہتمام کرنے کا حکم فرمایا، چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رمضان کے لئے شعبان کے چاند کے دن گنتے رہو۔ (سنن ترمذی، حدیث نمبر: 687)

ماہِ شعبان میں اللہ تعالی کے حضور اعمال کی پیشی ہوتی ہے:۔

حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا: یارسول اللہ! شعبان کے مہینے میں، میں آپ کو اتنے روزے رکھتے ہوئے دیکھتا ہوں، جتنا کہ کسی اور مہینے میں نہیں دیکھتا، اِس کی کیا وجہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: رجب اور رمضان کے درمیان جو شعبان کا مہینہ ہے، (عام طور پر) لوگ اُس سے غفلت کا شکار ہوتے ہیں، حالانکہ اس مہینے میں بندوں کے اعمال اللہ تعالی کے حضور پیش کیے جاتے ہیں، تو میں یہ چاہتا ہوں کہ میرے اعمال اِس حالت میں اُٹھائے جائیں کہ میں روزے سے ہوں۔ (سنن النسائی: حدیث نمبر: 2357، 2358)

شعبان کے مہینے میں روزوں کی کثرت:۔

جناب رسول اللہ ﷺ "ماہِ شعبان" ہی سے "رمضان المبارک" کی تیاری فرماتے تھے، چنانچہ ماہِ شعبان آتے ہی جناب رسول اللہ ﷺ کی عبادات میں غیر معمولی اضافہ ہو جاتا تھا، آپ ﷺ "رمضان المبارک" کے ساتھ اُنس پیدا کرنے کے لیے "ماہِ شعبان" میں کثرت سے روزے رکھا کرتے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا سے روایت ہے رسول کریم ﷺ کو تمام مہینوں میں روزہ رکھنے کے واسطے شعبان کا مہینہ پسندیدہ تھا، بلکہ آپ ﷺ اس ماہ کو ماہ رمضان المبارک کے ساتھ ملا دیا کرتے تھے۔ (سنن ابی داؤد، حدیث نمبر: 2431)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ روزہ رکھتے جاتے، یہاں تک کہ ہم کہتے کہ اب افطار نہ کریں گے اور افطار کرتے جاتے، یہاں تک کہ ہم کہتے کہ اب روزہ نہ رکھیں گے اور میں نے نہیں دیکھا کہ نبی ﷺ نے رمضان کے سوا کسی مہینہ پورے روزے رکھے ہوں اور نہ شعبان کے مہینہ سے زیادہ کسی مہینہ میں آپ کو روزہ رکھتے ہوئے دیکھا۔ (صحیح بخاری، حدیث نمبر: 1969)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی کریم ﷺ سال کے کسی مہینے میں شعبان سے زیادہ روزے نہیں رکھتے تھے۔(صحیح مسلم، حدیث نمبر:1156)

ماہِ شعبان میں آپ ﷺ کا بکثرت روزے رکھنے کی حکمتیں:۔

علمائے کرام رحمہم اللہ نے ماہِ شعبان میں رسول اللہ ﷺ کے زیادہ نفلی روزے رکھنے کے کئی اسباب اور حکمتیں بیان کی ہیں، جن میں سے چار حکمتیں وہ ہیں، جن کی طرف احادیث میں بھی اشارہ کیا گیا ہے۔(عمدۃ القاري لبدر الدین العینی: 11/119، ط: دار الکتب العلمیۃ)

ماہ شعبان اور اسلاف کرام رحمہم اللہ کا عمل:۔

سلف صالحین کے نزدیک ماہ شعبان کی بڑی قدر و منزلت تھی، یہی وجہ ہے کہ شعبان کے آتے ہی وہ عبادات کے لئے اپنے آپ کو فارغ کر لیتے تھے۔

علامہ ابن رجب حنبلیؒ فرماتے ہیں کہ شعبان رمضان کا مقدمہ اور پیش خیمہ ہے، لہذا اس میں وہی اعمال یعنی روزہ اور تلاوت کرنا چاہیے، جو کثرت سے رمضان میں کیے جاتے ہیں، تاکہ ماہِ رمضان کی برکات حاصل کرنے کی تیاری ہو جائے اور نفس رحمان کی اطاعت سے تروتازہ ہو جائے، چنانچہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی اجمعین کا معمول تھا کہ شعبان کا مہینہ شروع ہوتے ہی قرآن کریم کی طرف متوجہ ہوتے تھے اور اپنے مالوں کی زکاۃ ادا کرتے تھے، تاکہ غریب اور مسکین بہتر طور پر ماہِ رمضان گزار سکیں۔

جب شعبان کا مہینہ آتا، تو حبیب بن ابی ثابت رحمہ اللہ فرماتے کہ یہ قاریوں کا مہینہ ہے اور عمرو بن قیس رحمہ اللہ کے بارے میں آتا ہے کہ جب شعبان کا مہینہ آتا، تو عمرو بن قیس رحمہ اللہ اپنی دکان بند کر دیتے اور قرآن کریم کی تلاوت میں منہمک ہو جاتے۔(لطائف المعارف لابن رجب الحنبلي: ص:258، ط: دار ابن کثیر)

پندرہ شعبان کا روزہ:۔

سارے ذخیرہ احادیث میں اس روزے کے بارے میں صرف ایک روایت میں ہے کہ شب براءت کے بعد والے دن روزہ رکھو(اس حدیث کی تخریج، اسنادی حیثیت ما قبل میں گزر چکی ہے، وہاں ملاحظہ فرمائیں)، اگرچہ یہ روایت ضعیف ہے، لیکن چونکہ فضیلت ضعیف روایت سے بھی ثابت ہو جاتی ہے اور یہ دن ایام بیض میں سے بھی ہیں(ایام بیض سے مراد ہر ماہ کی ۱۳، ۱۴، اور ۱۵ تاریخ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ماہ ان تین دنوں میں روزہ رکھنے کا اہتمام فرماتے تھے)اس لیے نفل روزے کی نیت

سے پندرہ شعبان کا روزہ رکھنا مستحب ہے، البتہ اس دن کے روزے کو باقاعدہ سنت قرار دینے سے پرہیز کرنا چاہیے۔(اصلاحی خطبات، ج:۴، ص:۲۶۷، ط: میمن اسلامک پبلشرز)

کیا شب برأت فیصلے کی رات ہے؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ سے روایت فرماتی ہیں کہ "آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے، اس رات یعنی شعبان کی پندرہویں رات میں کیا ہوتا ہے؟ انہوں نے دریافت فرمایا: یارسول اللہ! کیا ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس شب میں یہ ہوتا ہے کہ اس سال میں جتنے بھی پیدا ہونے والے ہیں، وہ سب لکھ دیئے جاتے ہیں، اور جتنے اس سال مرنے والے ہیں، وہ سب بھی اس رات لکھ دیے جاتے ہیں، اور اس رات میں سب بندوں کے (سارے سال کے) اعمال اٹھائے جاتے ہیں اور اسی رات میں لوگوں کی مقررہ روزی (مقررہ وقت) پر اترتی ہے"۔(الدعوات الکبیر للبیہیقي، حدیث نمبر:530)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! آپ ماہِ شعبان میں اس کثرت سے روزے کیوں رکھتے ہیں؟ ارشاد فرمایا: اس مہینے میں ہر اس شخص کا نام ملک الموت کے حوالے کر دیا جاتا ہے، جن کی روحیں اس سال میں قبض کی جائیں گی، لہٰذا میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ میرا نام اس حال میں حوالے کیا جائے کہ میں روزے دار ہوں۔(مرقاۃ المفاتیح: 3/347، ط: دار الکتب العلمیۃ)

حضرت تھانویؒ "احکام شب برأت وشبِ قدر" میں لکھتے ہیں:

شب برأت اور لیلۃ القدر کیا دونوں راتوں میں فیصلے ہوتے ہیں؟

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شب برأت میں واقعات کا فیصلہ ہونا احادیث سے ثابت ہے، پھر وہ کون سے واقعات ہیں، جن کا فیصلہ ہونا شبِ قدر میں باقی رہا؟ پھر یہ کہ شب برأت میں ایک سال کے واقعات کا فیصلہ ہونا حدیثوں میں آیا ہے اور شب قدر سال گزرنے سے پہلے رمضان میں آجاتی ہے تو اس میں کیا مکرر (دوبارہ) فیصلہ ہوتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کی یہاں دو صورتیں نکلتی ہیں کیونکہ عادۃ ہر فیصلہ کے دو درجے ہوتے ہیں۔ایک تجویز (خاکہ) ایک نفاذ (آرڈر) پس یہاں بھی دو مرتبے ہو سکتے ہیں، مطلب یہ کہ تجویز تو شب برأت میں ہو جاتی ہے اور نفاذ لیلۃ القدر میں ہوتا ہے اور ان میں کسی قدر فاصلہ ہونا بعید نہیں (ایسا ہوتا رہتا ہے۔) تجویز قدرت کو کہتے ہیں اور حکم کے نافذ کر دینے کو قضاء کہتے ہیں، ممکن ہے

شب برأت میں تجویز ہوتی ہواور لیلۃ القدر میں اس کا نفاذ ہوتا ہو۔(احکام شب برأت و شبِ قدر للشیخ اشرف علی تھانوي: ص: 18،ط: ادارۃ افادات اشرفیۃ)

شبِ براءت میں اجتماعی عبادت کا اہتمام:

جیسے ذکر ہوا کہ پندرھویں شعبان کی فضیلت کے بارے میں متعدد روایات وارد ہیں اور اس رات میں عبادت کرنا بھی مستحب ہے ، لیکن اس کے لیے مساجد میں اجتماعات منعقد کرنا بدعت اور ناجائز ہے، فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''مراقی الفلاح شرح نور الایضاح''میں ہے:

''رمضان کی آخری دس راتوں ، عیدین کی رات،ذوالحجہ کی پہلی دس راتوں اور نصف شعبان کی رات کو زندہ رکھنا مستحب ہے، لیکن ان میں سے کسی بھی رات مساجد وغیرہ میں اجتماع کرنا ناپسندیدہ ہے، کیونکہ نہ نبی اکرم ﷺ نے ایسا کیا اور نہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین نے، بلکہ اکثر علماء حجاز اور فقہائے مدینہ نے اس کا انکار کرتے ہوئے اسے بدعت قرار دیا۔(مراقي الفلاح شرح نورالإیضاح: ص: 151،ط: المکتبۃ العصریۃ)

شب براءت اور حلوہ:۔

ویسے تو سارے سال میں کسی دن بھی حلوہ پکانا جائز اور حلال ہے، جس کا جب دل چاہے پکا کر کھالے، لیکن خاص شب براءت میں حلوہ بنانے کا اس قدر اہتمام کرنا (کہ فرائض و واجبات کو ادا کرنے کا اس قدر اہتمام نہیں ہوتا، جتنا حلوہ بنانے کا اہتمام ہوتا ہے) درست نہیں اور بدعت ہے، نہ قرآن میں اس کا ثبوت ہے اور نہ حدیث میں اس بارے میں کوئی روایت ہے، نہ صحابہ کے آثار ہیں اور نہ ہی تابعین اور بزرگان دین کے عمل میں اس کا کہیں کوئی تذکرہ ہے، بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دندانِ مبارک جب شہید ہوئے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلوہ نوش فرمایا تھا، یہ بات بالکل من گھڑت اور بے اصل ہے، کیونکہ دندانِ مبارک کی شہادت کا واقعہ غزوۂ احد ماہِ شوال ۳ھ میں پیش آیا تھا(عمدۃ القاري: 17/138،ط: دار احیاء التراث العربي)

جب کہ حلوہ شعبان میں پکایا جاتا ہے، اب خود سوچیئے کہ کس قدر بے ہودہ اور باطل خیال ہے کہ دانت ٹوٹنے کی تکلیف ماہِ شوال میں اور حلوہ دس مہینے بعد شعبان میں کھایا گیا، لہذا اس قسم کی فضولیات اور بدعات سے بچنا چاہیے۔(اصلاحي خطبات: 4/307-318،ط: میمن اسلامک پبلشرز)

شب براءت میں نوافل کی باجماعت نماز:

اس رات میں نوافل کی باجماعت نماز کی ادائیگی کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے، جن میں سر فہرست صلاۃ التسبیح کی باجماعت ادائیگی ہے، اس حوالے سے یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ شریعت نے عبادت کو جس انداز میں ادا کرنے کا حکم دیا ہے، اسے ویسے ہی ادا کرنا چاہیے، شریعت نے نماز پنج گانہ اور جمعہ وعیدین وغیرہ کو باجماعت ادا کرنے کا حکم دیا ہے، لیکن نوافل کو انفراداً ادا کرنے کا حکم دیا ہے، اس لئے کسی نفلی نماز کو (خواہ صلوۃ التسبیح ہو یا کوئی اور) جماعت سے ادا کرنا منشائے شریعت کے خلاف ہے، اس لیے حضرات فقہاء نے نفل نماز کی جماعت کو (جبکہ مقتدی دو سے زیادہ ہوں) مکروہ لکھا ہے اور خاص راتوں میں اجتماعی نماز ادا کرنے کو بدعت قرار دیا ہے، لہذا شب براءت میں (یا کسی اور خاص رات میں) اجتماعی نوافل ادا کرنا بدعت ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: 3/85-88، ط: مکتبۃ لدھیانوي)

شبِ برأت کے مخصوص نوافل کا حکم:۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: پندرہویں شعبان کی شب کو نماز الفیہ پڑھی جاتی ہے۔۔۔۔اس کے بارے میں نہ کوئی صحیح حدیث ثابت ہے، نہ کسی صحابی وتابعی کا کوئی مضبوط ارشاد ہی منقول ہے الّا یہ کہ اس سلسلے میں ضعیف اور موضوع روایتیں ضرور نقل کی جاتی ہیں۔۔۔۔ عوام اس نماز کی وجہ سے زیادہ فتنوں میں مبتلا ہو چکے ہیں، یہاں تک کہ اس نماز کی ادائیگی کے وقت روشنی و چراغاں کو ضروری قرار دے دیا گیا، جس کی وجہ سے اکثر فسق وفجور کے کام صادر ہونے لگے، ان کاموں کی وجہ سے بہت سے اولیاء اللہ ڈرے کہ کہیں اللہ کا کوئی عذاب نازل نہ ہو جائے چنانچہ وہ اتنے زیادہ خوف زدہ اور پریشان ہوئے کہ وہ آبادیوں کو چھوڑ کر اور عبادت الٰہی کی آڑ میں ہونے والے فسق وفجور سے منہ موڑ کر جنگلوں میں چلے گئے۔ (مرقاۃ المفاتیح: 3/350، ط: دار الکتب العلمیۃ)

چراغاں کرنا:۔

شبِ براءت کے موقع پر بعض لوگ مساجد، گھر اور قبرستان میں چراغاں کرتے ہیں، یہ چند وجوہ کی بناء پر ناجائز ہے:

۱۔ غیر مسلموں کے تہوار ''دیوالی'' کی نقل اور مشابہت ہے، علامہ بدر الدین عینی نے لکھا ہے کہ:

چراغاں کی رسم کا آغاز یحییٰ بن خالد برمکی سے ہوا ہے، جو اصلاً آتش پرست تھا، جب وہ اسلام لایا، تو ملمّع سازی کر کے ان رسوم کو اسلام میں داخل کر دیا اور پھر نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ اس کو مذہبی رنگ دے دیا گیا۔ (عمدۃ القاري: 11/83، ط: دار احیاء التراث العربي)

آتش بازی:

شب برأت کی مروجہ بدعات اور خرافات میں سے "آتش بازی" بھی ہے، جو انتہائی بری، غیر معقول اور خطرناک بدعت ہے، اور کئی گناہوں کا مجموعہ ہے۔

۱۔آتش بازی محض اسراف و فضول خرچی ہے، ارشادِ خداوندی ہے: بے شک فضول خرچی کرنے والے شیاطین کے بھائی ہیں۔ (سورہ بنی اسرائیل: آیت نمبر: 27)

۲۔آتش بازی میں کفار و مشرکین کی مشابہت ہے، جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی قوم سے مشابہت اور ان کے طور طریقے اختیار کرے گا، تو اس کا شمار انہیں میں ہوگا۔ (سنن أبي داؤد: رقم الحدیث: 4031، ط: 4/44، ط: المکتبۃ العصریۃ)

شبِ برأت میں معافی کے پیغامات بھیجنے کی شرعی حیثیت:

شبِ برأت کی آمد کے ساتھ ہی سوشل میڈیا پر ایک دوسرے سے معافی مانگنے کے پیغامات کا ایک طویل سلسلہ بھی شروع ہو جاتا ہے اور یہ میسجز اس لیے بھیجے جاتے ہیں کہ حدیث شریف کے مطابق اس رات اللہ تعالی بہت سے مسلمانوں کی بخشش فرماتے ہیں، البتہ رشتہ توڑنے والے اور مسلمان سے دشمنی رکھنے والے محروم رہتے ہیں، اس حدیث کے پیشِ نظر آپس کی ناراضگی دور کر کے ایک دوسرے سے معافی مانگنی چاہیے، تاکہ شبِ برأت کی فضیلت حاصل ہو اور اس رات مغفرت سے محرومی نہ ہو، لیکن یہ معافی محض رسمی نہ ہو، اس لئے کہ اس طرح کے معافی نامہ بھیجنے سے عام طور پر خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوتا، کیونکہ بھیجنے والا بھی اس طرح کا معافی نامہ بطور ایک رسم کے بھیجتا ہے، چنانچہ یہ میسج ہر ایک کو بھیج دیا جاتا ہے، اس کا مقصود حقیقت میں معافی مانگنا نہیں ہوتا، اور جس کو بھیجا جاتا ہے، اسے بھی پتا ہوتا ہے کہ معافی نامہ بھیجنے والے کا مقصد معافی وغیرہ مانگنا نہیں ہے، بلکہ ایک رسم کی ادائیگی ہے، اس لیے اس طرح کے میسج بھیجنے میں وقت ضائع کرنے کے بجائے، جس کسی کو ناراض کیا ہوا، اس سے دل سے معافی مانگ کر اس کو راضی کرنا چاہیے اور اگر اس کا کوئی حق دبایا ہو، تو اس کو ادا کیا جائے اور اگر حق ادا کرنے کی قدرت نہ ہو تو

صاحبِ حق سے عاجزی اور ندامت کے ساتھ معاف کروایا جائے اور اس طرح معافی مانگنا مفید ہے، لیکن صرف بطور رسم ہر ایک کو معافی نامہ بھیجنے سے معافی کی اہمیت اور اثر باقی نہیں رہتا ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ معاف کرنے اور معافی مانگنے کے لیے شریعت میں کوئی دن مخصوص نہیں ہے، بلکہ جس وقت غلطی ہو، اسی وقت معافی مانگ لینی چاہیے۔

سب سے پہلے جنہوں نے ہجری تاریخ کی بنیاد ڈالی وہ
اسلام کے دوسرے خلیفہ امیر المؤمنین حضرت سیدنا
فاروق اعظم
رضی اللہ عنہ ہیں۔
(تہذیب الاسماء ج ۱ ص 47)
نیا اسلامی
سال مبارک ہو!
ISLAMIC
CALEND
01 MUHARR
SUN MON TUE WED

شذرات علمیہ

سمیع اللہ حضروی صاحب

نثر، نِثار اور نَثار:

نثر:

ن مفتوح، ث ساکن، ر منون ہے جب کہ اردو میں ن مفتوح، ث اور ر ساکن ہے۔

عربی میں یہ مصدر ہے۔

مصدر وہ کلمہ ہے جس میں کسی کام کا کرنا، ہونا وغیرہ پایا جائے لیکن اس میں وقت یا زمانے کا تعلق نہ ہو۔

مصدر سے کئی کلمات (مشتقات) بنتے ہیں۔ جیسے:

لکھنا، مصدر ہے اور اسی سے لکھا، لکھا ہے، لکھتا ہے، لکھنے والا، لکھا گیا اور لکھائی مشتق بنے ہیں۔

اسی طرح نثر بھی مصدر ہے اور اس سے بننے والے چند الفاظ (مشتقات):

نِثار، نَثار، نُثار (صدقہ کی ہوئی چیز)، منثور، نثور وغیرہ۔

نثر کا معنی موتی بکھیرنا، پھیلنا وغیرہ ہے۔

اردو میں بطور اسمِ کیفیت مستعمل ہے۔ بلحاظِ جنس موئنث ہے۔

فرہنگِ عامرہ میں اس کے معانی بکھری ہوئی چیز، بکھیرنا وغیرہ درج ہیں۔

فرہنگِ آصفیہ میں یہ معانی درج ہیں:

پراگندہ، بکھرا ہوا، پھیلا ہوا، تتر بتر، سخنِ پاشیدہ، وہ عبارت جو نظم نہ ہو۔

نور اللغات میں اس کے معانی پراگندہ، بکھرا ہوا اور وہ عبارت جو نظم نہ ہو؛ درج ہیں۔

لکھنے والا چونکہ الفاظ کے ذریعے اپنے خیالات آگے پیش کرتا یعنی بکھیرتا ہے اسی لیے اسے *ناثِر* یا *نثّار* کہا جاتا ہے۔ ناثر اور نثار *نثر* سے مشتق ہیں۔

اردو میں ناثِر اور نثّار کا استعمال عام نہ ہونے کی وجہ سے نثر نگار مستعمل ہے۔

نثر کی اقسام:

نثر کی تین اقسام ہیں۔

1-نثرِ مرَجَّز:

ایسی نثر، جس میں دو جملوں کے کلمات ایک دوسرے کے ہم وزن اور ہم قافیہ ہوں۔

2-نثرِ مسجع:

ایسی نثر، جس کے الفاظ آپس میں ہم قافیہ اور ہم وزن ہوں۔ یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ قوافی، جملے کے درمیان اور آخر میں ہوں تو نثرِ مرصع اور اگر صرف آخر میں ہوں تو نثرِ مسجع کہلائے گی۔

3-نثرِ معرٰی:

ایسی نثر جو مقفٰی و مسجع نہ ہو۔ نثر، جس میں نثرِ مرجز اور مسجع کی طرح الفاظ و کلمات کا ہم قافیہ اور ہم وزن بنانے کا التزام نہ کیا گیا ہو ؛نثرِ معرٰی کہلاتی ہے۔ اسے بے بناوٹ نثر یا سادہ نثر بھی کہا جاتا ہے۔

اسی (نثر) سے ایک مشتق نِثار (ن کسرہ کے ساتھ) بھی مستعمل ہے جو قواعد کے لحاظ سے اسمِ صفت ہے۔

عربی زبان میں اس کا معنی پُر مسرت تقریبات اور دعوات میں تقسیم کی جانے والی مٹھائی یا بکھیرے جانے والے پھول اور روپے ہیں۔ بطور صدقہ سر پر پھیر کر نقد یا چیز وغیرہ پھینکنا بھی؛ نِثار کہلاتا ہے۔

اس کے علاوہ فیروز اللغات میں اس کے یہ معانی درج ہیں:

صدقے، قربان، واری اور فریفتہ۔

نور اللغات کے مطابق اس کے معانی؛ تصدق، قربان، واری، عاشق اور فریفتہ ہیں۔

اردو میں کرنا اور ہونا (افعال) لگا کر فعل لازم بنا لیا گیا ہے۔

نثر کا متضاد نظم ہے۔

پیارے عمرؓ

محمد داؤد الرحمن علی

دینِ حق کا تو رکھوالا بن کے رہا
نورِ ایماں کا اجالا پیارے عمرؓ
تیری راتیں عبادت میں ڈوبی رہیں
دن میں کیا انصاف کا بول بالا پیارے عمرؓ
کعبہ و مسجدیں تجھ پر نازاں ہوئیں
تو نے حق کا علم لہرایا پیارے عمرؓ
فتحِ شام و عراق و یمن تیرے ساتھ
تو نے ہر ظلم کو جھٹلایا پیارے عمرؓ
اپنے زخموں پہ بھی شکر کرتے رہے
صبر کا ایک پیمانہ پیارے عمرؓ
خوفِ خدا تھا ایسا دل میں بسا
تخت پہ بیٹھ کے رویا پیارے عمرؓ
جو کہا آقاؐ نے، تُو نے کر کے دکھایا
عشق میں سچا فسانہ پیارے عمرؓ
تیری عظمت کا چرچا ہر اک بزم میں
داؤد کہتا ہے خلافت کا تھا تارا پیارے عمرؓ

اہل بیت کون۔؟

ڈاکٹر محمد عثمان غنی

حضرت محسن بن علی

سیدنا حضرت محسن رضی اللہ عنہ خاتونِ جنت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا اور خلیفۂ راشد سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے تیسرے صاحبزادے ہیں، آپ صحابیِ رسول، نواسۂ رسول اور باغِ نبوت کے مہکتے پھول ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ یکے بعد دیگرے اپنے تین بیٹوں کا نام ''حرب'' رکھتے رہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبدیل فرما کر بالترتیب حسن، حسین اور محسّن نام رکھا اور فرمایا کہ: میں نے ان کے نام حضرت ہارون علیہ السلام کے صاحبزادوں شبیر، شبر اور مشبر کے ناموں پر رکھے ہیں۔ (المستدرک علی الصحیحین، رقم: ۴۷۷۳، اسد الغابہ، ج: ۱، ص: ۴۹۶) یہ بچپن میں وفات پا گئے تھے۔

حضرت علی بن ابی العاص

آپ کا اسم گرامی علی تھا۔ آپ حضرت ابو العاص لقلیط بن ربیع رضی اللہ عنہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی بیٹی سیدہ زینب بنت محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صاحبزادے اور امامہ بنت ابی العاص رضی اللہ عنہا کے بھائی تھے، قبیلہ بنی غاضرہ کی ایک عورت کا دودھ پیا تھا۔

رضاعت کی مدت پوری ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نواسے حضرت علی بن ابی العاص رضی اللہ عنہما کو اپنے زیرِ کفالت لے لیا تھا، ان کے باپ ابو العاص بن ربیع اس وقت مکہ میں مقیم تھے اور اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ ابو العاص بن ربیع جب غزوۂ بدر میں گرفتار ہوئے تو اس شرط پر رہا ہوئے کہ وہ اپنی بیوی کو مدینہ بھیج دیں گے، چنانچہ انہوں نے رہائی کے بعد زینبؓ بنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے دونوں بچوں (علیؓ بن ابو العاص اور امامہؓ بنت ابو العاص) کو بھی ساتھ بھیج دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نواسے کی تربیت اور پرورش خود فرمائی۔ (الاستیعاب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتحِ مکہ کے روز شان و شوکت اور جاہ و جلال کے ساتھ مکرمہ میں داخل ہوئے تھے تو اپنے پیچھے اپنی سواری پر علی بن ابو العاص رضی اللہ عنہما کو سوار کیا تھا، یوں آپؐ کو ردیفِ پیغمبر اور ہم رکابِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہونے کا شرف حاصل ہے۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب)

علی بن ابو العاص رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں بلوغت کے قریب پہنچ کر وفات پائی۔ البتہ ابن عساکرؒ نے بعض اہلِ علم کا قول نقل کیا ہے کہ جنگِ یرموک کے موقع پر شہید ہوئے۔

حضرت عبداللہ بن عثمان

نواسۂ رسول سیدنا حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری صاحبزادی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک سے خلیفۂ راشد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں۔ انہی کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو عبداللہ ہے، بچپن میں چھ سال کی عمر میں وفات پا گئے تھے۔

کتاب دوستی اور ہمارے اسلاف

حضرت مولانا عصمت اللہ نظامانی صاحب (استاد جامعہ دارالعلوم کراچی)

اگر ہم اپنے اسلاف واکابرین، علمائے دین اور معزز مسلمان دانشمندوں کی زندگی اور سوانح حیات کا مطالعہ کریں تو یہ بات ہم پر بالکل واضح وعیاں ہوگی کہ ہمارے وہ اکابر علم سے محبت رکھنے والے اور کتاب دوست تھے۔ان کی زندگی کا محور کتاب ہوتی تھی، کتابیں پڑھنا، انہیں خریدنا، اور اپنے پاس جمع کرنا ان کا محبوب مشغلہ ہوتا تھا، کتابوں کے حصول کے لیے مال خرچ کرنے سے ان کو راحت وسکون ملتا تھا، کتابوں کی درمیان بیٹھنا ان کے لیے پُر کیف ہوتا تھا، انہیں کتابوں سے انتہائی لگن ہوتی تھی، جس کی بناپر ان میں کسی فرد کے پاس ایک لاکھ کتابیں ہوتی تھیں (شذرات الذهب في أخبار من ذهب لابن العماد الحنبلي، (372/4)، حوادث سنة ست وتسعين وخمس مائة، الناشر: دار ابن كثير - بيروت، ط: 1406ه-1986م) تو کسی کے پاس دو لاکھ کتابیں۔ (الوافي بالوفيات لصلاح الدين الصفدي، (202/18)، ترجمة: القاضي الفاضل، الناشر: دار إحياء التراث - بيروت، ط: 1420ه-2000م) کوئی راستے میں چلتے ہوئے بھی کتاب پڑھتا تھا، (سير أعلام النبلاء للذهبي، (424/13)، ترجمة: الخطيب البغدادي، رقم: 4229، الناشر: دار الحديث - القاهرة، ط: 1427ه-2006م) تو کوئی کتابوں کی محبت میں مفلس ومقروض ہوگیا۔ (رفع الإصر عن قضاة مصر لابن حجر، (ص: 346)، ذكر من اسمه محمد، الناشر: مكتبة الخانجي - القاهرة، ط: 1418ه-1998م)

الغرض کتابوں کی مجلس میں ہی ان کے شب وروز گزرتے تھے، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ علم میں کامل رسوخ حاصل ہوتا، اور بہترین استعداد واعلیٰ صلاحیتوں کے مالک ہوتے، دین وملت کی رہنمائی کرتے، اور شاندار علمی خدمات سرانجام دیتے تھے۔

ذیل میں کتاب کی اہمیت وضرورت اور اسلاف واکابرین کے کتاب دوستی کے سلسلے میں واقعات وارشادات ذکر کیے جارہے ہیں؛ تاکہ ان کا مطالعہ کرنے سے ہم کو کتابوں کا ذوق ہو۔

کتاب ایک بہترین دوست اور ساتھی:

یہ بات کسی پر مخفی نہیں ہو گی کہ اچھی کتاب ایک دوست کام سرانجام دیتی ہے، جس سے آپ کامیابی کا راستہ، ہدایت کی راہ، اور ضرر و نقصاندہ چیزوں سے حفاظت کا طریقہ معلوم کر سکتے ہیں، ایک حقیقی دوست کی طرح کتاب کبھی نقصان نہیں پہچائے گی، اس سے آپ ہمیشہ نفع اور بھلائی ہی پائیں گے، چنانچہ مشہور مؤرخ خطیب بغدادی (ت: 462ھ) رحمہ اللہ نے بھی ایک جگہ کتابوں کی تعریف و توصیف بیان کرتے ہوئے، انہیں بہترین دوست اور عمدہ ساتھی قرار دیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

قلت: ومع ما في الكتب من المنافع العميمة والمفاخر العظيمة، فهي أكرم مال وأنفس جمال، والكتاب آمن جليس، وأسر أنيس، وأسلم نديم، وأفصح كليم. (تقييد العلم للخطيب البغدادي، (ص:121)، باب في فضل الكتب، الناشر: إحياء السنة النبوية- بيروت)

ترجمہ: کتابوں میں موجود عمومی منافع اور بڑی قابل فخر چیزوں کے علاوہ، وہ بہترین مال اور انتہائی نفیس جمال و خوبصورتی ہیں۔ کتاب بہت پُر امن ہم مجلس ہے، بڑا راز دان دوست، سلامتی والا ساتھی اور انتہائی فصیح سخن گو ہے۔

کتابیں علم کا ستون:

کتابیں علم کا ستون ہیں، جس طرح عمارت کا ستون کے بغیر مضبوط و پائیدار ہونا مشکل ہے، اسی طرح کتابوں کے بغیر علم کا حصول واستحضار بھی بہت مشکل ہے۔ کتابوں کے ذریعے ہی علم میں رسوخ و پختگی حاصل ہو سکتی ہے، چنانچہ علامہ ابنِ حزمؒ نے بھی کتابوں کی کثرت کو علم کا ایک ستون شمار کیا ہے، اور پھر شاندار انداز میں کتاب کی ضرورت و اہمیت اجاگر کی ہے، وہ فرماتے ہیں:

ودعائم العلم مشهورة مستحكمة يؤثر بها العلم على سائر أعراض الدنيا . . . والاستكثار من الكتب، فلن يخلوا كتاب من فائدة وزيادة علم يجدها فيه إذا احتاج إليها . . . ولولا الكتب لضاعت العلوم ولم توجد. (رسائل ابن حزم، (77/4)، رسالة مراتب العلوم، الناشر: المؤسسة العربية للدراسات والنشر- بيروت)

ترجمہ: علم کے ستون مشہور و مضبوط ہیں، جن کے سبب علم کو دنیا کی تمام چیزوں پر ترجیح دی جائے گی۔۔۔ ان میں سے ایک ستون کتابوں کی کثرت ہے، کوئی کتاب فائدے اور علمی زیادتی سے ہر گز خالی نہیں ہوتی، جسے پڑھنے والا اس میں پائے گا، جب بھی اس کا محتاج ہو گا۔۔۔ پھر فرمایا کہ اگر کتابیں نہ ہوتیں تو علوم ضائع ہو جاتے اور ان کا وجود بھی نہ ہوتا۔

کتابیں خریدنے کی لذت:

جس شخص کو حصولِ علم کا شوق، اور کتابیں پڑھنے کا ذوق ہو، وہ کتابیں حاصل کرنے اور انہیں اپنے پاس جمع کرنے میں لذت محسوس کرے گا، اور کتابیں خریدنے کے لیے رقم خرچ کرنے میں فرحت وسرور محسوس کرے گا۔ علم کا حقیقی طالب وہی ہو سکتا ہے جو بڑے نشاط اور خوش دلی سے کتابوں پر اپنا مال صرف کرے۔ اس سلسلے میں مشہور عربی دان علامہ جاحظ (ت: 255ھ) نے کیا خوب بات کہی ہے:

فالإنسان لا يعلم حتى يكثر سماعه، ولا بدّ من أن تكون كتبه أكثر من سماعه؛ ولا يعلم، ولا يجمع العلم، ولا يختلف إليه، حتى يكون الإنفاق عليه من ماله، ألذّ عنده من الإنفاق من مال عدوّه. ومن لم تكن نفقته التي تخرج في الكتب، ألذّ عنده من إنفاق عشّاق القيان، والمستهترين بالبنيان، لم يبلغ في العلم مبلغا رضيّا. (الحيوان للجاحظ، (41/1)، الإنفاق على الكتب، الناشر: دار الكتب العلمية- بيروت، ط: 1424ه)

یعنی کوئی شخص علم حاصل اور جمع نہیں کر سکتا، اور نہ اس کے پاس کوئی دوسرا علم کے لیے آسکتا ہے، یہاں تک کہ اس پر اپنا مال خرچ کرنا، دشمن کے مال میں سے خرچ کرنے سے بھی زیادہ مزیدار ہو، اور جس آدمی کو کتابوں پر لگایا ہوا خرچ، گلوکارہ باندیوں اور عمارتیں بنانے والے لاپرواہ افراد کے خرچ کرنے سے زیادہ لذیذ نہ ہو تو ایسا شخص علم میں کسی قابل قدر مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

یہی وجہ ہے کہ اسلاف میں سے بعض ایسے گزرے ہیں کہ تمام جمع پونجی کتابیں خریدنے میں لگادیتے تھے، چنانچہ مشہور نحوی علامہ علی بن سیف الابیاری (ت: 814ھ) کے بارے میں تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے:

وكلما حصل له شيء اشترى به كتبا. (الضوء اللامع لأهل القرن التاسع للسخاوي، (231/5)، الناشر: دار الجيل- بيروت)

ترجمہ: علامہ ابیاری کو جب بھی کوئی چیز حاصل ہوتی تو وہ اس کے بدلے کتابیں خرید لیتے۔

کتاب دوستی کا ایک مثالی سفری لائبریری

کتاب بینی ایک ایسا فرحت بخش اور پُر لذت مشغلہ ہے کہ جس شخص کو اس کی عادت ہو جائے، اور مطالعہ کا چسکا لگ جائے، وہ ہر حالت میں اس عمدہ مشغلہ سے لطف اندوز ہوگا، کتابیں پڑھ کر محظوظ ہوگا، یہی وجہ ہے کہ اکابرین اور اہلِ علم ودانش کی ایک جماعت کو اس کتاب بینی کی ایسی عادت تھی، اور علم میں اضافہ کا اتنا شوق تھا کہ وہ سفر وحضر ہر جگہ کتابیں اپنے ساتھ رکھتے۔ گھر میں مطالعہ میں انہماک کے باوجود اگر کبھی سفر درپیش ہوتا تو سفری لائبریری اپنے ساتھ لیے پھرتے، تھوڑا عرصہ بھی کتابوں

سے جدائی گوارا نہیں تھی، چنانچہ مشہور و معروف عربی دان اور لغت کے امام علامہ مجد الدین فیروزآبادی (ت:817ھ) کے بارے میں تذکرہ نگار لکھتے ہیں کہ وہ سفر میں بھی اپنے ساتھ کئی سواریوں پر کتابیں لے کر جاتے تھے، جیساکہ علامہ سخاویؒ رقم طراز ہیں:

وكان لا يسافر إلا وصحبته منها عدة أحمال، ويخرج أكثرها في كل منزلة فينظر فيها ثم يعيدها إذا ارتحلوه. (الضوء اللامع لأهل القرن التاسع للسخاوي، (81/10)، الناشر: دار مكتبة الحياة- بيروت)

ترجمہ: جب بھی وہ سفر کرتے تو ان کے ساتھ کئی گٹھڑیاں کتابوں کی ہوتیں، اور وہ ان میں سے اکثر ہر منزل پر نکال کر مطالعہ کرتے، جب لوگ وہاں سے کوچ کرنے لگتے تو وہ دوبارہ ان میں ڈال دیتے تھے۔

اسی طرح اپنے ساتھ سفری لائبریری لے کر چلنے والوں میں سے ایک صلاح بن احمد مؤیدی (ت:1038ھ) ہیں، وہ کئی وقیع کتابوں کے مصنف اور اعلی استعداد والے علمائے کرام میں سے ایک تھے، کتابوں کے ساتھ انہیں خصوصی شغف تھا، چنانچہ علامہ شوکانیؒ ان کی سفری لائبریری کا بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وإذا سافر أول ما تضرب خيمة الكتب، وإذا ضربت دخل إليها ونشر الكتب، والخدم يصلحون الخيم الأخرى ولا يزال ليله جميعه ينظر في العلم. (البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع للشوكاني، (294/1)، حرف الصاد المهملة، رقم: 207، الناشر: دار المعرفة- بيروت)

ترجمہ: جب وہ سفر کرتے تو سب سے پہلے کتابوں کا خیمہ گاڑھا جاتا، جب خیمہ لگا دیا جاتا تو اس میں داخل ہوتے اور کتابیں پھیلا دیتے، اور خادم دوسرے خیمہ صحیح کرنے لگتے، وہ پوری رات ان کا مطالعہ کرتے رہتے تھے۔

شہیدِ مکتبہ:

اسلاف میں فنافی العلم بعض حضرات ایسے بھی گزرے ہیں جنہیں کتابوں سے عشق تھا، جن کی زندگی کتابوں کے گلستان میں گزرتی تھی، اور ان کے نزدیک کتابیں دنیا کی سب سے بڑی نعمت تھیں۔ ایسے جلیل القدر ہستیوں میں سے ایک مشہور و معروف عربی دان عمر بن بحر المعروف علامہ جاحظ تھے۔ ان کے بعض عقائد و نظریات وغیرہ سے اختلاف کے باوجود اس بات میں کوئی شک نہیں کہ وہ کتابوں کے سچے عاشق تھے، اور کتابیں حاصل کرنے کا ادنی موقعہ بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے، جاحظ کے کتابوں سے محبت کے بارے میں ایک عینی گواہ ابو ہفان (ت:257ھ) کہتے ہیں:

لم أر قط ولا سمعت من أحبّ الكتب والعلوم أكثر من الجاحظ، فإنه لم يقع بيده كتاب قط إلا استوفى قراءته كائنا ما كان، حتى إنه كان يكتري دكاكين الوراقين ويبيت فيها للنظر. (معجم الأدباء لياقوت الحموي، (2101/5)، ترجمة: عمرو بن بحر، الناشر: دار الغرب الإسلامي- بيروت، ط: 1414ه- 1993م)

ترجمہ: میں ایسا کوئی شخص نہ کبھی دیکھا اور نہ سنا جس کو جاحظ سے بڑھ کر کتابوں اور علم سے محبت ہو؛ کیونکہ علامہ جاحظ کے ہاتھ میں جب بھی کوئی کتاب آتی تو اس کا پورا مطالعہ کرتے، چاہے جیسی بھی کتاب ہو، یہاں تک کہ وہ کتب فروشوں کی دکانیں کرائے پر لیتے، اور اس میں مطالعہ کے لیے رات کو ٹھہرتے۔

جاحظ کتابوں سے اس قدر الفت و محبت تھی کہ ہر لکھی ہوئی چیز کا مطالعہ کرتے، یہاں تک کہ لکھے ہوئے کاغذات بھی ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے، اس سلسلے میں ان کا ایک واقعہ مشہور ہے، جسے محمد بن سلیمان جوہری بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم جاحظ کے ساتھ سیر و تفریح کی غرض سے نکلے، ابھی ہم بصرہ کی جامع مسجد کے دروازے تک ہی پہنچے تھے کہ ایک خاتون نے کچھ پھٹے ہوئے اوراق برائے فروخت ہمارے سامنے پیش کیے، چونکہ ان میں ہمیں کوئی فائدہ نظر نہیں آیا، اس لیے ہم انہیں چھوڑ کر آگے چلے، لیکن جاحظ اس عورت کے ساتھ پیچھے رہ گیا، ہم نے کافی انتظار کے بعد دیکھا کہ اس نے اس عورت کو قیمت دی اور وہ اوراق لیے، اور ہمیں انتظار کا کہہ کر اپنے گھر چلا گیا، پھر جب وہ لوٹا تو ہم اس کا مذاق اڑانے لگے، اس پر اس نے کہا: "فزت بقطعة من العلم وافرة" یعنی میں علم کے ایک کامل حصہ لے کر کامیاب ہو گیا ہوں، یہ جواب سن کر ہم ہنسنے لگے، تو اس نے کہا:

أنتم حمقى، والله إن فيها ما لا يوجد إلا فيها، ولكنكم جهال، لا تعرفون النفيس من الخسيس. (تقييد العلم للخطيب البغدادي، (ص:137)، الإكثار من الكتب، الناشر: إحياء السنة النبوية- بيروت)

ترجمہ: تم بیوقوف ہو، بخدا! ان اوراق میں بعض ایسی چیزیں ہیں جو صرف انہیں میں پائی جاتی ہیں، لیکن تم ناواقف ہو، قیمتی چیز کو خسیس و گھٹیا چیز سے جدا نہیں کر سکتے۔

نیز جاحظ کی کتابوں سے محبت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کا انتقال بھی کتابوں کے درمیاں ہوا، اور جس وقت روح قفسِ عنصری سے پرواز کر رہی تھی، اس وقت بھی کتابیں ان کے سینے پر تھیں، اور یوں وہ شہیدِ مکتبہ کہلائے۔ چنانچہ علامہ ابن العماد حنبلی (ت:1089ھ) تحریر فرماتے ہیں:

وكان موته بسقوط مجلدات العلم عليه. (شذرات الذهب في أخبار من ذهب لابن العماد الحنبلي، (232/3)، سنة خمسين ومائتين، الناشر: دار ابن كثير- بيروت، ط: 1406ه- 1986م)

یعنی ان کا انتقال کتابوں کے ان پر گرنے کی وجہ سے ہوا۔

اور علامہ زرکلیؒ رقم طراز ہیں:

ومات والكتاب على صدره. قتلته مجلدات من الكتب وقعت عليه. (الأعلام للزركلي، (74/5)، ترجمة الجاحظ عمرو بن بحر، الناشر: دار العلم للملايين- بيروت، ط: 2002م)

ترجمہ: ان کی وفات اس حال میں ہوئی کہ کتاب ان کے سینے پر تھی، اس پر گرنے والی کتابوں کی کچھ جلدوں انہیں قتل کر ڈالا تھا۔

ایک کتاب کے لیے میدان عرفات میں منادی کرانا:

ہمارے اسلاف اور بزرگوں میں سے کتاب دوست بعض ایسے بھی گزرے ہیں جو مطلوبہ ایک کتاب کے حصول کے لیے بھی سرگرداں رہتے تھے، اور حتی المقدور اسے تلاش کرنے کی کوشش کرتے، انہی شخصیتوں میں سے ایک ابو بکر ابن اخشاد ہیں، وہ کہتے ہیں کہ علامہ جاحظ نے اپنے تالیف کتاب الحیون کے شروع میں اپنی تمام تالیفات کا ذکر کیا تھا، من جملہ ان میں دو کتابوں الفرق بین النبی والمتنبی اور کتاب دلائل النبوۃ کا نام بھی تھا، کوشش کے بعد کتاب دلائل النبوۃ تو مل گئی، لیکن دوسری کتاب نہ مل سکی، پھر خیال ہوا کہ کہیں غلطی سے دوسری کتاب کا نام نہ لکھ دیا گیا ہو، اور حقیقت میں ایک ہی کتاب ہو، بہر حال جب میں مصر سے مکہ مکرمہ حج کرنے آیا تو میں نے میدانِ عرفات میں منادی کرایا؛ کیونکہ اطراف عالم سے لوگ وہاں آئے ہوئے تھے، اور اعلان کے الفاظ حسب ذیل تھے:

رحم الله من دلّنا على كتاب الفرق بين النبي والمتنبىء لأبي عثمان الجاحظ على أي وجه كان.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جو کسی بھی طرح ابو عثمان جاحظ کی کتاب الفرق بین النبی والمتنی کی طرف رہنمائی کرے۔

اعلان کرنے والا میدان عرفات کا چکر لگاتا رہا، اور بالآخر ابن اخشاد کے پاس ناکام لوٹا، اور بتایا کہ لوگوں کو اس کتاب کے بارے میں کچھ پتا نہیں۔ (معجم الأدباء لیاقوت الحموي، (2115/5)، ترجمۃ: عمرو بن بحر، الناشر: دار الغرب الإسلامي- بیروت، ط: 1414ھ-1993م)

امام محمد بن حسن شیبانی کا کتابوں میں استغراق:

امام محمد اپنا اکثر وقت گلستانِ کتب میں گزارتے، اور گھر کو بھی ایک قسم کا کتب خانہ بنا دیا تھا، وہ کتابوں کے درمیان گھرے رہتے، اور ہمہ وقت مطالعہ کتب میں مشغول رہتے، چنانچہ ایک مرتبہ ان کے نواسے نے والدہ محترمہ یعنی امام محمد کی لختِ جگر سے پوچھا کہ امی! بتلایئے کہ ناناجان اپنے گھر میں کیا کرتے تھے؟ اس پر ان کی والدہ نے جواب دیا:

كان والله يا بني يكون في هذا البيت وحوله الكتب، ما كنت أسمع له كلمة غير أني كنت أراه يشير بحاجبه وإصبعه. (فضائل أبي حنيفة وأخباره لابن أبي العوام (ص:350)، الناشر: المكتبة الإمدادية- مكة المكرمة، ط:1431ه- 2010م)

ترجمہ: اللہ کی قسم! اے میرے بیٹے! وہ اس گھر میں ہوتے تھے، چاروں طرف کتابیں رکھی ہوتی تھیں، میں انہیں باتیں کرتے ہوئے نہیں سنتی تھی، بوقتِ ضرورت بھوؤں یا ہاتھ سے اشارہ کرتے تھے۔

گھر فروخت کر کے کتابیں خریدنا:

ہر انسان کی خواہش وچاہت ہوتی ہے کہ اس کا اپنا ذاتی گھر ہو، جہاں وہ سکون واطمئنان سے زندگی گزار سکے، اور اس کے حصول کے لیے وہ اپنی قوت وطاقت تج دیتا ہے، لیکن دنیا میں بعض شخصیات کتاب سے محبت کرنے والی ایسی گزری ہیں، جنہوں نے کتابیں پانے کے لیے اپنا گھر بیچ ڈالا۔ بالفاظ دیگر جسمانی سکون وآرام کے اسباب کے بدلے ذہنی راحت وسرور خریدا، اور کتابوں کے عاشقوں کے سامنے یہ سستا سودا ہے۔ انہی ہستیوں میں سے ایک ابو العلاء حسن بن احمد ہمدانی (ت:569ھ) ہیں۔ چنانچہ طلحہ بن مظفر علثی (ت:593) کا بیان ہے:

بيعت كتب ابن الجواليقي في بغداد، فحضرها الحافظ أبو العلاء الهمداني، فنادوا على قطعة منها: ستين دينارا، فاشتراها الحافظ أبو العلاء بستين دينارا، والإنظار من يوم الخميس إلى يوم الخميس. فخرج الحافظ، واستقبل طريق همدان، فوصل فنادى على دار له، فبلغت ستين دينارا. فقال: بيعوا. قالوا: تبلغ أكثر من ذلك. قال: بيعوا. فباعوا الدار بستين دينارا فقبضها، ثم رجع إلى بغداد. فدخلها يوم الخميس، فوفى ثمن الكتب. (ذيل طبقات الحنابلة لابن رجب الحنبلي، (277/2)، الناشر: مكتبة العيبكان- الرياض، ط: 1425ه- 2005م)

ترجمہ: ایک مرتبہ بغداد میں ابنِ جوالیقیؒ کی کتابیں فروخت کی جارہی تھیں، حافظ ابو العلاء ہمدانی بھی وہاں پہنچ گئے، فروخت کنندہ نے ان میں سے کچھ کتابوں کی قیمت ساٹھ دینار بتائی، ابو العلاء ہمدانی نے انہیں ساٹھ دینار میں خریدا، ایک جمعرات سے دوسری جمعرات تک مہلت تھی، حافظ ابو العلاء نے ہمدان کا راستہ لیا، وہاں پہنچ کر اپنا گھر بیچنے کا اعلان کرایا، جب اس کی قیمت ساٹھ دینار

تک پہنچی توانہوں نے لوگوں سے فرمایا کہ فروخت کردو، لوگوں نے کہا کہ اس سے زیادہ قیمت لگ سکتی ہے، لیکن پھر بھی انہوں نے بیچنے کا کہا، توانہوں نے ساٹھ ہزار میں گھر فروخت کردیا، ابوالعلاء ہمدانی نے قیمت پر قبضہ کرکے بغداد کی راہ لی، اور جمعرات کو وہاں پہنچے، اور پھر کتابوں کی قیمت ادا کردی۔

اسی طرح امام ابو محمد ابنِ اخشابؒ کے بارے میں تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ انہوں نے بھی گھر کے اثاثہ جات، حتیٰ کہ چھت کے شہتیر اکھیڑ کر کتابیں خریدیں، چنانچہ سبطِ ابن جوزی (ت:654ھ) تحریر فرماتے ہیں:

حضر يوما سوق الكتبيين، فنودي على كتب بخمس مئة دينار، ولم يكن عنده شيء، فاشتراها، وقال: أخروني ثلاثة أيام. ومضى فنادى على ساج داره، فبلغت خمس مئة دينار، فنقض ساجها، وباعه بخمس مئة دينار، فوفى بها ثمن الكتب.(مرآة الزمان في تواريخ الأعيان لسبط ابن الجوزي، (178/21)، السنة السابعة والستون وخمس مائة، الناشر: دار الرسالة العالمية- دمشق، ط: 1434ه- 20013م)

ترجمہ: ابن اخشاب ایک دن کتابوں کی بازار میں آئے، وہاں کچھ کتابوں کی پانچ سو دینار قیمت بتائی جارہی تھی، ان کے پاس کوئی چیز موجود نہیں تھی، لہٰذا انہوں نے وہ کتابیں خریدیں اور کہا کہ مجھے تین دن کی مہلت دو، وہ گئے اور اپنے گھر کی ساگوان کی لکڑی فرخت کرنے کا اعلان کیا، جب اس کی قیمت پانچ سو کو پہنچی تو اس نے گھر کی چھت توڑ کر ساگوان کے شہتیر پانچ سو دینار میں بیچ دیئے، اور اس کے ذریعے کتابوں کی قیمت ادا کی۔

کتابیں بمنزلہ سوکن:

کتب بینی کی لذت ایسی ہے کہ انسان دنیا ومافیہا سے بے گانہ ہو جاتا ہے، اور کتابوں کے سوا اس کو کسی چیز کا ہوش نہیں رہتا، یہی وجہ ہے کہ بعض سلف صالحین کی بیویاں کتابوں کو سوکن شمار کرتی تھیں کہ جس طرح سوکن کی وجہ سے مرد کی توجہ بٹ جاتی ہے، اور بیوی کی طرف نظرِ التفات میں کمی آجاتی ہے، اسی طرح کتابوں کی وجہ سے بھی بسا اوقات اہلیہ اور گھر بار کی طرف توجہ کم ہو جاتی ہے، چنانچہ مشہور محدث زبیر بن بکار کی زوجہ محترمہ بھی کتابوں کو اپنے حق میں تین سوکنوں سے زیادہ مضر کہتی تھیں، جیسا کہ زبیر بن بکار خود فرماتے ہیں:

قالت ابنة لأختي لأهلنا: خالي خير رجل لأهله لا يتخذ ضرة، ولا يشتري جارية، قال: تقول المرأة: والله لهذه الكتب أشد علي من ثلاث ضرائر. (تاريخ بغداد للخطيب البغدادي، (486/9)، ذكر من اسمه الزبير، رقم الترجمة: 4538، الناشر: دار الغرب الإسلامي- بيروت، ط: 1422ه- 2002م)

ترجمہ: میری بھانجی نے میری اہلیہ سے کہا: میرا ماموں اپنے گھر والوں کے حق میں بہتر ہے کہ دوسری شادی کرکے کوئی سوکن نہیں لاتا، اس پر اہلیہ نے کہا: اللہ کی قسم! یہ کتابیں مجھ پر تین سوکنوں سے زیادہ بھاری ہیں۔

نیز مشہور و معروف فقیہ و محدث امام ابو بکر محمد بن مسلم الزہری کے بارے میں بھی سوانح نگاروں نے یہی بات کی ہے کہ کتابیں دیکھ کر آپ دنیا ومافیہا سے بیگانہ ہو جاتے تھے، اسی وجہ سے ان اہلیہ کتابوں کو سوکن کہتی تھیں، جیسا کہ امام زہریؒ (ت:124ھ) کے بارے میں علامہ ابنِ خلکان (ت:681ھ) تحریر فرماتے ہیں:

وكان إذا جلس في بيته وضع كتبه حوله، فيشتغل بها عن كل شيء من أمور الدنيا، فقالت له امرأته يوما: والله لهذه الكتب أشد علي من ثلاث ضرائر. (وفيات الأعيان لابن خلكان، (178/4)، ترجمة: الزهري، محمد بن مسلم، رقم الترجمة: 563، الناشر: دار صادر- بيروت)

ترجمہ: امام زہری جب گھر میں بیٹھتے تو اپنے ارد گرد کتابیں رکھتے، اور پھر ان میں مشغول ہو کر تمام دنیاوی معاملات بھول جاتے، اسی وجہ سے ایک دن ان کی اہلیہ نے ان سے کہا: اللہ کی قسم! یہ کتابیں مجھ پر تین سوکنوں سے زیادہ بھاری ہیں۔

اسی کے مثل ایک قصہ ابن محرم کا بھی مشہور ہے، ان کا مکمل نام محمد بن احمد جوہری ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں حسبِ عادت گھر میں بیٹھا لکھ رہا تھا، اس حال میں کہ سیاہی میرے سامنے تھی، میری خوش دامن محترمہ آئی، اور سیاہی کی ڈبیہ اٹھالی، مجھے اس بات کا احساس نہیں ہوا، پھر اس نے وہ زمین پر مار کر توڑ دی، جب میں ان سے اس بارے میں دریافت کیا تو وہ کہنے لگی:

هذه شر على ابنتي من ثلاث مائة ضرة. (تاريخ بغداد للخطيب البغدادي، (165/2)، ذكر من اسمه محمد، رقم الترجمة: 167)

ترجمہ: یہ میری بیٹی کے لیے تین سو سوکنوں سے بھی زیادہ نقصان دہ ہے۔

خلاصہ کلام:

ہمارے جلیل القدر اسلاف واکابرین کتب بینی کا مشغلہ رکھنے والے اور کتاب دوست تھے، ان کو فرد و معاشرہ کی اصلاح کے سلسلے میں کتاب کی اہمیت کا اندازہ تھا، وہ سماج و ثقافت پر اس کے دیرپا نتائج سے بھی بخوبی واقف تھے، وہ اس بات پر یقینی رکھتے تھے کہ کتاب جیسا بے ضرر اور فائدہ مند دوست اور کوئی نہیں، اور کتاب حصولِ علم کا سب سے عمدہ ذریعہ ہے۔ اسی وجہ انہوں نے کتاب دوستی کی ایسی ناقابل فراموش داستان رقم کی ہے کہ موجودہ دور میں اس کا عشرِ عشیر ملنا بھی مشکل ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ اپنے اسلاف کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے کتاب دوستی کی روایت کو باقی رکھیں۔

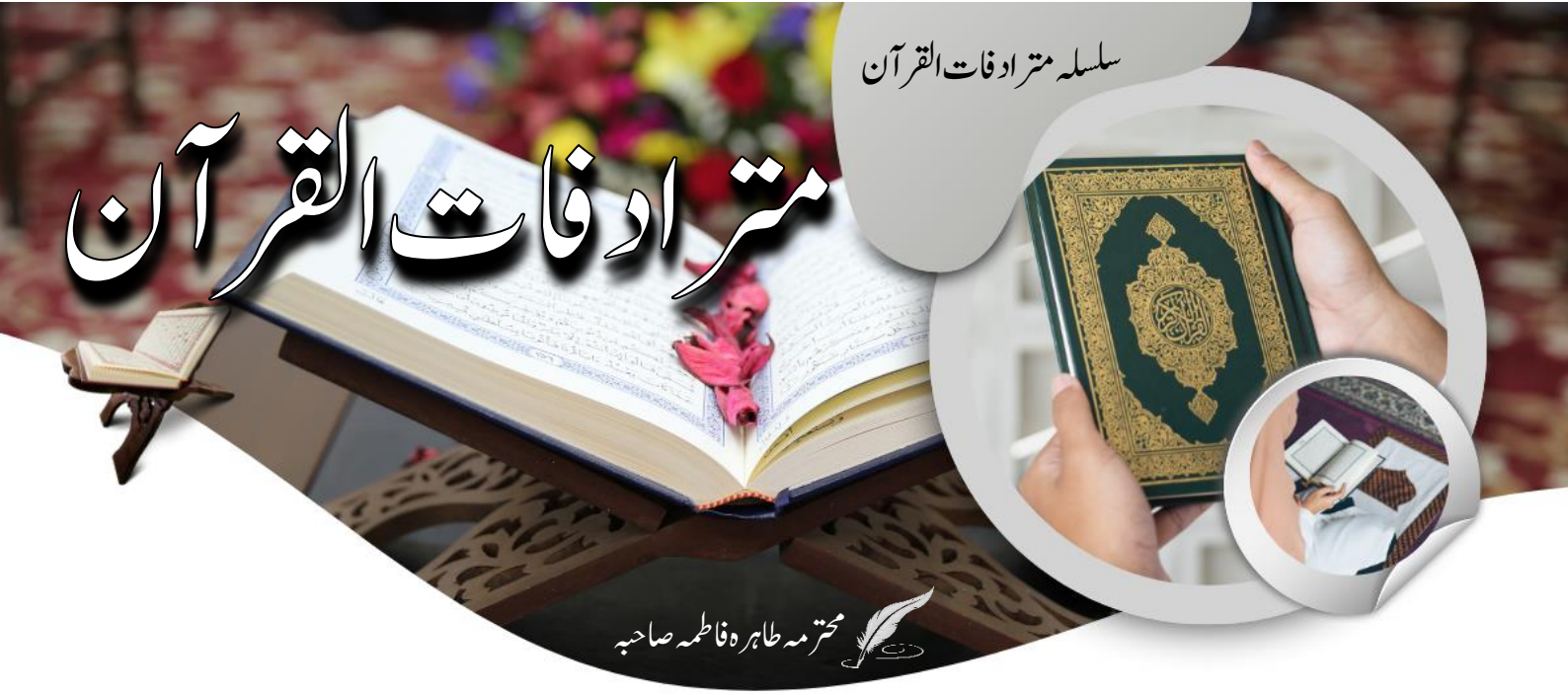

آسان

آسان کے لیے **یسیر** (یسر) اور **ہیّن** (ہون) کے الفاظ آتے ہیں۔

1: یسیر

اس کے مادہ یسر میں انفتاح اور خفیف ہونا داخل ہے (م ل) اور یسیر وہ کام ہے جو آسانی اور سہولت کے ساتھ سر انجام پا جائے (ضد: عسیر) ارشاد باری تعالی ہے:

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرًا (سورۃ النساء آیت 30)

اور جو زیادتی کرتے ہوئے اور ظلم سے ایسا کرے گا تو ہم اس کو عنقریب جہنم میں داخل کریں گے۔ اور یہ اللہ کو آسان ہے۔

2: هَيِّن

اس کا مادہ **ہون** ہے۔ جس میں آسانی کے علاوہ نرمی کا پہلو بھی شامل ہے (م ا) بشرطیکہ اس نرمی میں سبکی نہ ہو۔ بلکہ نرمی کے ساتھ ساتھ سکینت اور وقار شامل ہو اور یہ صفت قابل ستائش ہے، ارشاد باری ہے:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا (سورة الفرقان آیت 63)

اور (خدائے) رحمان کے (مقبول) بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں اور جب ان سے جاہل (اکھڑ) لوگ (ناپسندیدہ) بات کرتے ہیں تو وہ سلام کہتے (ہوئے الگ ہو جاتے) ہیں۔

اور اگر یہ نرمی کسی کو کمتر کر دے تو یہ ذلت اور رسوائی کی بات ہوتی ہے اور یہ مذموم فعل ہے اور اس کے لیے **ھون** کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا:

فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ (سورة احقاف آیت 20)

پس آج کے دن تمہیں ذلت کے عذاب کی سزا دی جائے گی۔

لہذا **ہیّن** ایسا کام ہے جو کرنے والے کی طاقت اور قدرت کے مقابلہ میں بالکل ہیچ ہو۔ کیونکہ اس کے مادہ کے مفہوم میں فروتنی کے ساتھ ساتھ کمتری و ذلت کا پہلو بھی شامل ہے۔ (بالکل معمولی اور تحقیر بات) سورۃ مریم میں ہے کہ جب فرشتے نے حضرت مریم کو بن باپ بیٹے کی پیدائش کی اطلاع دی تو وہ حیران ہو کہ بولیں:

قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِىْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا. قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَىَّ هَيِّنٌ (سورة مریم آیت 20،21)

مریم نے کہا کہ میرے ہاں لڑکا کیونکر ہو گا جبکہ مجھے کسی مرد نے بطور شوہر چھوا تک نہیں اور میں بدکار بھی نہیں ہوں۔ فرشتے نے کہا کہ یونہی ہو گا تمہارے پروردگار نے فرمایا کہ یہ مجھے آسان ہے۔

ماحصل:

یسیر: بات یا کام جو فاعل سے بسہولت سرانجام پائے۔

ہیّن: وہ بات یا کام جو فاعل کی قوت و قدرت کے مقابلہ میں بہت کم درجہ کا ہو۔

آسمان

آسمان کے لیے **سماء (سمو)** اور **فلک** کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔

1: سماء

سمو اور سماء کے بنیادی معنی بلندی کے ہیں۔ لیکن اس بلندی کی کوئی حد نہیں۔ صاحب فقہ اللغۃ نے **سماء** کی تعریف ہی یہ کی ہے:

ہر وہ چیز جو ہمارے اوپر اور ہم پر سایہ فگن ہو (ف ل) سماء ہے۔ قرآن میں ہے:

وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً (سورة البقرة آیت 22)

اور آسمانوں کی طرف سے پانی برسایا۔

یہاں **سماء** سے مراد بادل ہیں جو سطح زمین سے عموماً میل ڈیڑھ میل کی بلندی پر اڑتے پھرتے ہیں۔ اس معمولی سی بلندی کے لیے بھی **سماء** کا لفظ استعمال ہوا ہے اور درج ذیل آیت میں:

اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ۨالْكَوَاكِبِۚ (سورة صافات آیت 6)

بے شک ہم نے آسمانِ دنیا (یعنی پہلے کرۂ سماوی) کو ستاروں اور سیاروں کی زینت سے آراستہ کر دیا۔

اتنی زیادہ بلندی مراد ہے جتنی دوری پر ستارے چمکتے ہیں خواہ وہ لاکھوں میلوں کی بلندی پر ہوں جیسے چاند یا کروڑوں میلوں پر جیسے سورج یا ارب یا میل کی بلندی جیسے العقرب وغیرہ۔

سماء کا لفظ اسمائے نسبیہ میں سے ہے اور اس کی ضد ارض ہے۔ یعنی ہر چیز اپنے ماتحت کے لحاظ **سماء** اور وہی چیز اپنے مافوق کے لحاظ سے **ارض** بھی ہے (م ف) گویا ایک ہی چیز اپنے ماتحت کے لحاظ سے **سماء** ہے اور وہی اپنے مافوق کے لحاظ سے **ارض** ہے۔ چنانچہ:

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ (سورة الطلاق آیت 12)

اللہ (ہی) ہے جس نے سات آسمان پیدا فرمائے اور زمین (کی تشکیل) میں بھی انہی کی مِثل (تہ بہ تہ سات طبقات بنائے)

اس آیت میں یہی معنی پائے جاتے ہیں۔

پھر میں طرح **سماء** بلندی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ **ارض** بھی پستی کے معنوں میں آتا ہے۔ مثلاً:

وَلَوۡ شِئۡنَا لَرَفَعۡنٰهُ بِهَا وَلٰـكِنَّهٗۤ اَخۡلَدَ اِلَى الۡاَرۡضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ (سورة الاعراف آیت 176)

اور اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں سے اس کے درجے کو بلند کر دیتے۔ مگر وہ تو پستی کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی خواہش کے پیچھے چل پڑا۔

2: فلک

فلک کا معنی عموماً آسمان ہی کیا جاتا ہے۔ مگر حقیقتاً فضا میں سیاروں کے مدار یا اجرام فلکی کے گھومنے کے راستوں کو **فلک** کہتے ہیں (م ا)(م ل، م ف) ارشاد باری ہے:

وَهُوَ الَّذِىۡ خَلَقَ الَّيۡلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ‌ؕ كُلٌّ فِىۡ فَلَكٍ يَّسۡبَحُوۡنَ (سورة الانبياء آیت 33)

اور وہی (اللہ) ہے جس نے رات اور دن کو پیدا کیا اور سورج اور چاند کو (بھی)، تمام (آسمانی کرّے) اپنے اپنے مدار کے اندر تیزی سے تیرتے چلے جاتے ہیں۔

ان راستوں کو **فلک** کہنے کی توجیہ یہ ہے کہ سیارے فضا میں پورے دائرہ کی شکل میں نہیں گھومتے بلکہ بعض قوانین حرکت کے تحت بیضوی شکل اختیار کر جاتے ہیں۔ پھر ان کے کشی نما ہونے کی وجہ سے انہیں فلک کہا گیا ہے۔ ایسی کشتی کو عربی میں فلک کہتے ہیں۔

ماحصل:

سماء سے مراد معنی بلندی بھی ہے۔

فلك: فلک سے مراد سیاروں کے مدار ہیں۔ وہ مخصوص اجسام بھی جن کا قرآن واحادیث میں ذکر ہے۔

آسیب زدہ کرنا

آسیب زدہ کرنا کے لیے قرآن میں **تخبّط** اور **اعترای (عری)** کے الفاظ آئے ہیں

1: تخبط

خبط بمعنی کسی کو مار مار کر بد حواس کر دینا (مف) اور **مخبوط** بمعنی فاتر العقل یعنی ایسا شخص جس میں کی عقل ٹھیک کام نہ کرتی ہو۔ اہل عرب کے خیال کے مطابق یہ کام جنوں اور شیطانوں سے متعلق تھا۔ جیسے کہ وہ دیوانہ کو بھی مجنون کہتے تھے۔ یعنی جس کو جن پڑ گئے ہوں اور اس نے اسے دیوانہ بنا دیا ہو۔ مجنون اور مخبوط میں فرق صرف یہ تھا کہ جو شخص فتور عقل کے عارضہ سے بیمار ہوتا اسے مجنون کہہ دیتے تھے اور جسے وقتی اور عارضی طور پر یہ مرض لاحق ہوتا اُسے مخبوط کہتے تھے۔ ارشاد باری ہے:

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ (سورة البقرة آیت 275)

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قبروں سے اس طرح حواس باختہ اٹھیں گے جیسے کسی کو جن نے لپٹ کر دیوانہ بنا دیا ہو۔

2: اعتری

(عری، عرو) بمعنی ننگا ہونا اور اعری بمعنی کسی کے کپڑے اتار کر اسے ننگا کر دینا اور **اعری فلانا صدیقہ** بمعنی کسی شخص کا اپنے دوست کی مدد نہ کرنا اور اسے چھوڑ کر دور ہو جانا اور **عری** بمعنی بخار کی سردی لگنا اور خوف سے کپکپانا اور **عروا** بمعنی بخار کی سردی (منجد) اور **اعتری** بمعنی کسی کو اس قسم کے عارضہ سے دوچار کر دینا ہے۔ قرآن میں ہے:

اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ (سورة هود آیت 54)

ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے کسی معبود نے تمہیں تکلیف پہنچا کر دیوانہ کر دیا ہے۔

ماحصل:

عارضہ اگر عقل سے تعلق رکھتا ہو تو **تخبط** اور اگر جسم سے تعلق ہو تو **اعتری** کا لفظ استعمال ہو گا۔

ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش رضؓ

محترمہ زنیرہ عقیل صاحبہ

نام ونسب:

آپ کا پیدائشی نام بَرَّہ تھا جسے آپ ﷺ نے تبدیل فرما کر زینب رکھ دیا، والد کی طرف سے سلسلہ نسب اس طرح ہے: زینب بنت جحش بن رباب بن یعمر بن صبرۃ بن مرۃ بن کثیر بن غنم بن دودان بن سعد بن خزیمہ۔ جبکہ والدہ کی طرف سے آپ کا سلسلہ نسب یوں ہے: زینب بنت امیمہ بن عبدالمطلب بن ہاشم۔

ولادت:

آپؓ کی ولادت آپ ﷺ کے اعلان نبوت سے تقریباً 20 سال قبل ہوئی۔

خاندانی پس منظر:

سیدہ زینب بنت جحشؓ کی والدہ اُمیمہ خواجہ عبدالمطلب کی دوسری بیوی فاطمہ بنت عمرو کی بیٹی ہیں۔ آپ ﷺ کے والد عبداللہ، حضرت علیؓ کے والد ابو طالب، زبیر بن عبدالمطلب اور ان کے علاوہ عاتکہ، برہ، بیضاء اور اَرویٰ یہ سب فاطمہ بنت عمرو سے ہیں۔ آپؓ کی دو بیوہ بھابھیاں سیدہ ام حبیبہ بنت ابی سفیانؓ (زوجہ عبیداللہ بن جحش) اور زینب بنت خزیمہؓ (زوجہ عبداللہ بن جحش) ازواج مطہرات میں شامل تھیں۔

قبولِ اسلام:

آپؓ ابتدائی طور پر اسلام قبول کرنے والوں میں سے ہیں۔

پیغام نکاح:

رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ سید نازید بن حارثہؓ کے نکاح میں حضرت ام ایمنؓ موجود تھیں۔آپ ﷺ نے حضرت زیدؓ کا دوسرا نکاح حضرت زینب بنت جحشؓ سے کرنا چاہااور ان کے گھر پیغام بھیجا دیا۔ پیغام ملنے کے بعد حضرت زینبؓ اور ان کے بھائی عبدالرحمن بن جحش نے اس کو خاندانی فوقیت کے پیش نظر اور اُس وقت کے حالات کے تناظر میں اسے ناپسند سا خیال فرمایا کہ قریش کی ایک آزاد معزز خاتون کا نکاح ایک آزاد کردہ غلام سے ہو۔ چونکہ اُس وقت کی معاشرتی روش یہی تھی کہ دو ایسے خاندان جن میں مالی و خاندانی برتری و کمتری پائی جاتی ہو نکاح کرنا معیوب سمجھا جاتا تھا۔

بزرگی کا معیار تقویٰ ہے:

اسلام نے دنیا میں مساوات کی جو تعلیم رائج کی ہے اور خاندانی برتری و کمتری کی تفریق کو جس طریقے سے ختم کیا ہے اس کی مثال کسی اور مذہب میں نہیں ملتی۔ اس کی کئی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں لیکن یہ واقعہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے ان سب پر فوقیت رکھتا ہے۔ قریش اور خصوصاً خاندان بنی ہاشم کو کعبہ کا متولی ہونے کی وجہ سے عرب میں جو مقام حاصل تھا اس کے لحاظ سے شاہان یمن بھی ان کے ہمسری کا دعوی نہیں کر سکتے تھے لیکن اسلام نے بزرگی کا معیار محض تقوی کو قرار دیا اور فخر و مباہات کو جاہلیت کا علامت ٹھہرایا ہے۔

اس اسلامی کسوٹی پر دیکھا جائے تو اگرچہ حضرت زیدؓ بظاہر غلام تھے لیکن چونکہ وہ تقویٰ وللہیت کے اعتبار سے ایک صالح مسلمان تھے اس لیے نبی کریم ﷺ نے ان کی طرف سے پیغام نکاح حضرت زینب بنت جحشؓ کے گھر بھیجا۔

تاہم حضرت زینبؓ اور آپ کے گھر والے معاشرتی طور پر اسے پسند نہیں فرما رہے تھے تو اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِيْنًا۔(سورۃ احزاب آیت نمبر 36)

ترجمہ: اور جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا حتمی فیصلہ فرمادیں تو نہ کسی مومن مرد کے لیے اور نہ ہی کسی مومنہ عورت کے لیے یہ گنجائش ہے کہ وہ اپنے اختیارات کو باقی رکھیں۔ اور جس کسی نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا۔

نکاح کا انعقاد:

حضرت زینب بنت جحشؓ اور ان کے بھائی کو اس آیت کے نازل ہونے کی خبر لگی تو دونوں اس پر راضی ہو گئے کہ حضرت زیدؓ سے ان کا نکاح ہو جائے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے حضرت زیدؓ سے حضرت زینبؓ کا نکاح فرما دیا اور 10 دینار اور 60 درہم حق مہر بھی نبی کریم ﷺ نے حضرت زیدؓ کی طرف سے خود ادا فرمایا۔ چونکہ اس وقت حضرت زیدؓ، آپ ﷺ کے گھر میں ایک فرد کی حیثیت سے رہتے تھے۔ شادی کے بعد ان کی الگ رہائش کے لئے رسول اللہ ﷺ نے علیحدہ مکان کا انتظام فرمایا، کھانے پینے اور پہننے کی بنیادی ضروریات زندگی کا بندوبست بھی فرمایا۔

تکوینی واقعات میں مضمر ایک بڑی حکمت:

سیدہ زینب بنت جحشؓ نکاح کے بعد تقریباً ایک سال تک حضرت زیدؓ کے پاس رہیں۔ چونکہ اللہ کریم آپ ﷺ کے لیے سیدہ زینب بنت جحشؓ کے انتخاب کا فیصلہ فرما چکے تھے۔ مزید یہ کہ رسول اللہ ﷺ کے حضرت زینبؓ سے نکاح کے فوائد و مضمرات اور بھی کئی حکمتیں پوشیدہ تھیں۔ اس لیے تکوینی طور پر ایسے واقعات صادر ہونا شروع ہوئے جو دونوں کی جدائی کا سبب بنتے ہیں۔ لیکن خدائی حکمتوں پر نظر رکھنے والوں کو اس میں بھلائی ہی نظر آتی ہے۔

ہوا یوں کہ نکاح کے بعد حضرت زیدؓ کے ساتھ حضرت زینبؓ کا مزاج روکھا روکھا رہا پھر کچھ عرصہ بعد اس روکھے پن میں مزید شدت آئی اور سیدہ زینبؓ کا رویہ ترش ہو گیا۔ حضرت زیدؓ کا مزاج مبارک چونکہ حلم و حوصلہ والا تھا اس لیے برداشت فرماتے رہے۔ آپؓ کو یہ بحیثیت شوہر ہونے کے یہ شکایت تھی کہ ان کی اہلیہ کے دل سے احساس برتری مٹ نہیں سکا۔ چنانچہ ایک دن حضرت زیدؓ نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور اس ساری صورتحال سے آگاہ کیا۔ بطور مشورہ کے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا میں زینب کو طلاق دے دوں؟

نبوی مشورہ اور پوشیدہ امر:

رسول اللہ ﷺ کو اگرچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ سیدہ زینبؓ آپ کے نکاح میں آئیں گی۔ لیکن ان سے نکاح کرنے کی ابھی تک واضح طور پر وحی نازل نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے آپ ﷺ نے حضرت زیدؓ کو وہی مشورہ دیا جائے جو ایسے حالات میں زوجین کو دیا جاتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللهَ۔

ترجمہ: اپنی بیوی کو اپنے نکاح میں ہی رہنے دو اور اللہ سے ڈرو۔

آپ ﷺ نے حضرت زیدؓ سے اس بات کا اظہار نہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ فرما رکھا ہے کہ زید تم اپنی بیوی کو طلاق دو گے اور اس کے بعد بحکم الٰہی وہ میری بیوی بنے گی۔ اس بات کا تذکرہ سورۃ احزاب کی آیت نمبر 37 میں موجود ہے۔

تُخْفِي فِي نَفْسِكَ

کہ آپ اپنے دل میں یہ بات چھپائے ہوئے تھے۔

جیسے کاتب تقدیر نے لکھا تھا ویسے ہی ہوا، حضرت زیدؓ اور سیدہ زینبؓ کے ایک سالہ ازدواجی سفر کا اختتام ہوا، 5 ہجری میں حضرت زیدؓ نے حضرت زینب بنت جحشؓ کو طلاق دے دی۔

ام المومنین:

5 ہجری ذیقعدہ کا مہینہ تھا سیدہ زینبؓ کی عمر 38 سال ہو چکی تھی، طلاق کے بعد ایام عدت پورے ہوئے تو آپ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہؓ کو بلایا اور فرمایا کہ زید! آپ جاؤ اور زینبؓ کو میری طرف سے پیغام نکاح دے دو۔ چنانچہ حضرت زیدؓ فوراً حضرت زینبؓ کے مکان کی طرف چل پڑے۔ ابھی پردہ کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے، خود فرماتے ہیں: جب میں سیدہ زینبؓ کے گھر پہنچا تو وہ میری نگاہ میں نہایت قابل عزت واحترام تھیں کہ میں ان کی طرف نظر نہ اٹھا سکا یہاں تک کہ ادب واحترام کی وجہ سے میں ان کی طرف پشت کر کے کھڑا ہوا اور کہا: ”آپ کے لیے بہت بڑی خوشخبری ہے، رسول اللہ ﷺ نے مجھے آپ کے پاس اس لیے بھیجا ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے آپ کو نکاح کا پیغام دوں۔“

سیدہ زینبؓ نے فرمایا: میں اس بات کا کوئی جواب نہیں دے سکتی یہاں تک کہ میں اپنے رب سے اس بارے مشورہ نہ کر لوں اور پھر اٹھ کر نماز استخارہ پڑھنا شروع کی۔

ادھر دوسری طرف آپ ﷺ پر وحی اترنا شروع ہو گئی، آپ ﷺ فرمانے لگے: ”کون ہے جو زینبؓ کو یہ خوشخبری سنائے کہ اللہ تعالیٰ نے میرا نکاح ان سے کر دیا ہے“ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ احزاب کی یہ آیت تلاوت فرمائیں:

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْ أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَ كَانَ أَمْرُ اللهِ مَفْعُوْلاً۔

”جب زید نے اپنی بیوی سے تعلق ختم کر لیا تو ہم نے اس سے آپ کا نکاح کرا دیا تاکہ مسلمانوں کے لیے اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کرنے میں اُس وقت کوئی تنگی نہ رہے جب انہوں نے اپنی بیویوں سے تعلق ختم کر لیا ہو اور اللہ نے جو حکم دیا ہے اس پر تو عمل ہو کر ہی رہنا تھا۔“

حضرت سلمیٰؓ آپ ﷺ کی خادمہ موجود تھیں، انہوں نے سنا تو وہ خوشخبری سنانے کے لیے حضرت زینبؓ کے گھر تشریف لے گئیں۔ اور فرمایا: اے زینب! مبارک ہو، اللہ تعالیٰ نے آپ کا نکاح اپنے رسول ﷺ کے ساتھ آسمانوں پر کر دیا ہے۔ آپؓ نے جب یہ عظیم ترین خوشخبری سنی تو آپؓ نے اپنے زیور اتار کر حضرت سلمیٰؓ کو دے دیے۔ اللہ کا شکر ادا کیا اور نذر مانی کہ میں دو ماہ روزہ رکھوں گی۔ اس کے بعد نبی کریم ﷺ آپؓ کے گھر آئے اور 400 درہم حق مہر ادا کیا۔

دعوتِ ولیمہ:

نکاح کے دوسرے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولیمے کی دعوت رکھی۔ ایک بکری ذبح فرما کر ولیمہ کیا۔ حضرت انسؓ فرماتے تھے: حضرت زینبؓ سے شادی کر کے آپ ﷺ نے جو ولیمہ کیا اس سے بہتر ولیمہ کسی اور بیوی سے شادی کرنے پر آپ ﷺ نے نہیں کیا۔"

چنانچہ آپ ﷺ نے بھی بکری ذبح فرمائی اور حضرت انسؓ کی والدہ حضرت ام سلیمؓ نے بھی اس موقع پر آپ ﷺ کی خدمت میں حریرہ (عرب کی مشہور سوغات) بنا کر ایک برتن میں بھیج دیا اور تقریباً 300 افراد نے خوب پیٹ بھر کر کھایا۔

آپ ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جاؤ فلاں فلاں کو اور ان کے علاوہ جو تم کو ملے ولیمہ کے لیے بلا کر لاؤ۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے بہت سے لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے ولیمے میں آنے کی دعوت دی۔ کچھ دیر بعد آپ ﷺ کا گھر لوگوں سے بھر گیا۔ آپ ﷺ نے ان لوگوں سے فرمایا کہ دس دس کا حلقہ بنالو اور ہر شخص اپنی طرف سے کھائے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے اپنا دستِ مبارک اس کھانے میں رکھا اور برکت کی دعا فرمائی۔ اس کے بعد اس میں اتنی برکت ہوئی اتنی برکت ہوئی کہ سب لوگوں نے خوب سیر ہو کر کھالیا کھانا تب بھی ختم نہ ہوا۔ جب سب لوگ کھا چکے تو مجھے جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اے انس! اس کھانے کو اٹھالو! حضرت انسؓ فرماتے ہیں: جب میں نے اسے اٹھایا تو میرے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا کہ جب یہ کھانا میں نے لوگوں کے سامنے کھانے کے لیے رکھا تھا اُس وقت زیادہ تھا یا اب زیادہ ہے۔؟ اس میں اتنی برکت ہوئی کہ سینکڑوں آدمیوں کے کھا لینے پر بھی بچ گیا۔ بلکہ پہلے سے بھی زیادہ معلوم ہوتا تھا۔

پردے کے حکم کا نزول:

حضرت انسؓ فرماتے ہیں: پردہ کا حکم کب، کہاں اور کیوں اترا؟ اس بات کو سب لوگوں سے زیادہ میں جانتا ہوں۔ فرماتے ہیں: "سب سے پہلے پردہ کا حکم اس وقت نازل ہوا جب نبی کریم ﷺ نے ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحشؓ سے نکاح کے بعد

دوسرے روز ولیمہ کیا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے لوگوں کو بلایا۔ لوگ آئے اور کھانا کھا کر چلے گئے لیکن چند آدمی وہیں باتیں کرتے ہوئے رہ گئے اور بہت دیر لگادی۔ آپ ﷺ کو اس سے بہت تکلیف سی پہنچی۔ آپ ﷺ چاہتے تھے کہ یہ لوگ بھی چلے جائیں لیکن مروت کی وجہ سے ان کو کچھ کہہ نہ سکے۔ بلکہ آپ ﷺ نے یوں کیا کہ خود وہاں سے چل دیے تاکہ یہ لوگ بھی چلے جائیں۔

حتیٰ کہ آپ ﷺ بعض ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے گئے، کچھ دیر بعد واپس آئے آپ ﷺ نے خیال فرمایا کہ شاید اب وہ لوگ بھی چلے گئے ہوں گے۔ واپس آکر دیکھا کہ وہ لوگ ابھی تک بیٹھے ہوئے تھے ہیں۔ اس سارے واقعے میں حضرت انسؓ آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ دوسری مرتبہ آکر دیکھا تو لوگ چلے گئے ہیں۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ گھر تشریف لے گئے تھوڑی دیر بعد باہر واپس تشریف لائے اور یہ آیت حجاب تلاوت فرمائی جو اسی وقت نازل ہوئی تھی:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلاَّ أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلي طَعامٍ غَيْرَ ناظِرِينَ إِناهُ وَ لٰكِنْ إِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَ لَا مُسْتَأْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ إِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِيْ مِنْكُمْ وَ اللهُ لا يَسْتَحْيِيْ مِنَ الْحَقِّ وَ إِذَا سَأَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعاً فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجابٍ ذٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَ قُلُوْبِهِنَّ۔

ترجمہ: اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں بلا اجازت داخل نہ ہوا کرو مگر یہ کہ تمہیں کھانے پر آنے کی دعوت دے دی جائے وہ بھی اس طرح کہ تم اس کھانے کی تیاری کے انتظار میں نہ بیٹھے رہو۔ لیکن جب تمہیں دعوت دی جائے تو جاؤ پھر جب کھانا کھا چکو تو اپنی اپنی راہ لو اور باتوں میں جی لگا کر نہ بیٹھو، حقیقت یہ ہے کہ اس بات سے نبی کو تکلیف پہنچتی ہے، اور وہ تم سے (کہتے ہوئے) شرماتے ہیں، اور اللہ حق بات کہنے میں کسی سے نہیں شرماتا۔ اور جب تمہیں نبی کی بیویوں سے کچھ مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگو، یہ طریقہ تمہارے دلوں کو بھی اور ان کے دلوں کو بھی زیادہ پاکیزہ رکھنے کا ذریعہ ہوگا۔

اس آیت مبارکہ میں پردے کے بارے خطاب اگرچہ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو ہے۔ لیکن حکم عام ہے ساری امت کے لیے ہے۔

سخاوت و دریادلی:

سیدہ زینب بنت جحشؓ سخاوت و دریادلی میں بہت مشہور تھیں جو کچھ ہوتا راہ خدا میں خرچ کر دیتیں۔ آپؓ کی سخاوت کا اندازہ اس ایک واقعے سے کیا جا سکتا ہے۔ آپؓ کی خدمت میں سیدنا عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں 12000 دراہم بھیجے۔ سیدہ زینبؓ نے حضرت عمرؓ کے لیے دعا کی اور فرمایا: اللہ تعالیٰ عمرؓ کی بخشش فرمائے، میری دوسری بہنیں امہات المؤمنین مجھ سے زیادہ اس نوازش کی حق دار ہیں۔

آپؓ کو بتایا گیا کہ سیدنا عمرؓ نے ان کے لئے بھی الگ بھیجا ہے، یہ سب آپ ہی کا ہے۔ فرمانے لگیں: سبحان اللہ! پھر اسے ایک کپڑے سے چھپا کر ڈھانپ دیا اور برزہ بنت رافع کو کہا کہ اس کو لوگوں میں بانٹ دو، اُن لوگوں میں سے کچھ آپؓ کے عزیز بھی تھے اور کچھ مسکین و یتیم لوگ بھی تھے۔ انہوں نے آپؓ کے حکم پر لوگوں میں تقسیم کیا اس کے باوجود بھی کچھ رقم بچ گئی تو برزہ بنت رافع نے کہا: اس میں ہمارا بھی حق ہے۔ سیدہ زینبؓ نے فرمایا: جو کپڑے کے نیچے باقی ہے، سب آپ کا ہے۔ اس میں 85 درہم باقی تھے۔

وفات کا اشارہ:

آپ ﷺ نے ایک مرتبہ اپنی ازواج مطہرات سے فرمایا: تم میں سے وہ مجھے جلد ملے گی جس کا ہاتھ لمبا ہوگا۔ آپ ﷺ کی یہ بات سن کر امہات المومنین رضی اللہ عنہن اپنے اپنے ہاتھ ناپنے لگیں۔ اس میں لمبا ہاتھ سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کا تھا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد امہات المومنین میں سے سب سے پہلے سیدہ زینب بنت جحشؓ کا انتقال ہوا تو امہات المومنین سمجھ گئیں کہ لمبے ہاتھ سے مراد سخاوت اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے۔ کیونکہ سیدہ زینبؓ سخاوت و دریادلی میں سب سے آگے تھیں۔

وصیت نامہ:

سیدہ زینبؓ نے اپنا کفن بھی خود تیار کر کے رکھا ہوا تھا وفات سے کچھ دن پہلے آپؓ نے وصیتیں کیں۔

نمبر 1: میں نے اپنا کفن تیار کیا ہوا ہے اگر حضرت عمرؓ بھی میرے لیے کفن بھیجیں تو ان دو میں سے ایک کفن صدقہ کر دینا۔

نمبر 2: میری میت اس چارپائی پر لے کر جانا جس چارپائی پر رسول اللہ ﷺ کو رکھا گیا تھا۔

نمبر 3: میرے جنازے کے پیچھے آگ نہ لے جائی جائے اور میری قبر بقیع میں عقیل اور ابن حنیفہ کے گھر کے درمیان کھودی جائے۔

نمبر 4: جب مجھے قبر میں اتار دیا جائے تو اگر میرا پٹکا خیرات کر سکو تو کر دینا۔

نوٹ: پٹکا اس کپڑے کو کہتے ہیں جو میت کی کمر میں ڈال کر قبر میں اتارے جانے کے کام آتا ہے۔

وفات:

آپؓ کی وفات 20 ہجری کو ہوئی، آپ کی کل عمر 53 سال کے قریب تھی۔

جنازہ:

سیدہ زینب بنت جحشؓ کا جب وصال ہوا تو سیدنا عمر فاروقؓ نے اعلان کرایا: اے اہل مدینہ! اپنی ماں کے جنازے میں شرکت کرو۔ چنانچہ جنازے میں اہلیان مدینہ نے کثرت سے شرکت کی۔ جس دن آپؓ نے وفات پائی وہ سخت گرمی کا دن تھا۔اس لیے حضرت عمر فاروقؓ نے قبر پر ایک شامیانہ لگوادیا تاکہ قبر کی تیاری اور سیدہؓ کی تدفین میں لوگوں کو تکلیف نہ ہو۔ یہ بھی یاد رہے کہ اسلام کی تاریخ میں یہ پہلا شامیانہ تھا جو کسی قبر پر نصب کیا گیا تھا۔اس موقع پر حضرت عمرؓ نے مختصر سا خطبہ بھی ارشاد فرمایا جس میں حضرت زینبؓ کی تیمارداری، غسل، تجہیز و تکفین اور تدفین کے بارے امہات المومنین رضی اللہ عنہن کا پیغام سنایا اور آپؓ نے 4 تکبیروں کے ساتھ نماز جنازہ پڑھائی۔

تدفین:

عام لوگوں کو سیدہ زینب بنت جحشؓ کی قبر مبارک کے پاس سے ہٹادیا گیا چنانچہ آپؓ کے تین بھانجوں محمد بن عبداللہ بن جحش، عبداللہ بن ابی احمد بن جحش، محمد بن طلحہ بن عبیداللہ اور حضرت اُسامہ بن زیدؓ نے آپؓ کو جنت البقیع کے قبرستان میں سپرد خاک کیا۔

حضرت عائشہ کے تعریفی کلمات: آپؓ کے انتقال پر اُمُّ المؤمنین حضرتِ عائشہ صدّیقہؓ نے یہ تعریفی کلمات کہے:

ایک قابلِ تعریف اور فقیدُ المثال خاتون چل بَسیں جو یتیموں اور بیواؤں کی پناہ گاہ تھیں اور فرمایا: زینب نیک خاتون تھیں۔

خصوصیات:

ام المومنین سیدہ زینب بنت جحشؓ کی چند ایسی خصوصیات ہیں جو دیگر ازواج مطہرات کو حاصل نہیں۔ وہ یہ ہیں:

(۱) حضرت زینبؓ کے نکاح کے بعد جاہلیت کی یہ رسم ختم ہوگئی کہ لے پالک بیٹے اصلی بیٹے کا حکم رکھتے ہیں۔

(۲) اس نکاح سے یہ بھی حکم معلوم ہوگیا کہ منہ بولے بیٹے کی بیوہ یا مطلقہ سے نکاح ہو سکتا ہے۔

(۳) حضرت زینبؓ کا نکاح آسمانوں پر ہوا۔

(۴) حضور ﷺ نے اس نکاح کے موقع پر ولیمے کا جس کا قدر اہتمام فرمایا دوسرے نکاح میں اس قدر نہیں فرمایا۔

(۵) اس نکاح کے بعد پردے کا حکم نازل ہوا اور یہ حکم دیا گیا کہ کوئی شخص بغیر اجازت دوسر کے گھر میں داخل نہ ہو۔

(۶) حضرت زینبؓ رسول کریم ﷺ سے کہا کرتیں کہ مجھے تین باتوں میں آپ پر ناز ہے:

۱-میرے اور آپ کے جد امجد ایک ہیں۔

۲-آپ ﷺ کے ساتھ میرا نکاح آسمانوں پر اللہ تعالیٰ نے پڑھایا۔

۳-میرے معاملۂ نکاح کے سفیر حضرت جبریل علیہ السلام ہیں۔(بخاری شریف، مسلم شریف، مسند امام احمد، طبقات کبریٰ، استیعاب، اصابہ وغیرہ)

تقویٰ
دین کی بہترین چیز!
نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:
"علم کی فضیلت عبادت کی فضیلت سے بہتر ہے۔ اور تمہارے دین کی سب سے اچھی چیز تقویٰ اور پرہیز گاری ہے۔"
(المعجم الأوسط للطبرانی: 197، حدیث صحیح)

جب خواب وفا مانگتے ہیں۔

محترمہ الہام عبیر صاحبہ

10 ذی الحج 2016 مجھے آج بھی یاد ہے۔۔۔جب میں نے پہلی بار کہا:

اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمدًا عبده و رسوله

یہ الفاظ میرے لبوں سے نکلے تو جیسے کوئی بوجھ میرے دل سے اتر گیا۔ کوئی ایسا پردہ تھا جو برسوں سے میرے اندر پڑا تھا، اور وہ ایک دم ہٹ گیا۔

نہ گناہوں کی ملامت بچی، نہ کسی پچھلے فیصلے کا بوجھ۔ میں بس پاک ہو گئی... جیسے دل نے پہلی بار سجدہ کیا ہو۔

پہلا سال۔۔۔وہ ایک شعلہ تھا جو میرے اندر روشن تھا۔ ہر اذان مجھے ہلا دیتی، قرآن کی ایک آیت میری آنکھوں کو نم کر دیتی۔ میں نے اسلام کو تھاما بہت مضبوطی سے، مکمل اعتماد کے ساتھ۔

مگر پھر دنیا کا سایہ بڑھنے لگا۔ نماز میں سستی، اخلاق میں کمزوری، دعا میں بوجھ محسوس ہونے لگا۔

دل میں سوال جاگا: کیا میں نے اسلام قبول کر کے صحیح فیصلہ کیا تھا؟

اور پھر وہ دن بھی آیا جب میرے والد، جو ایک پادری تھے، بولے:

"یہ دین، یا ہمارا گھر!"

اور گھر چلا گیا۔ جب میں جاب تلاش کرنے نکلی، تو میرا حجاب میرا سب سے بڑا تعارف بن گیا اور شاید بد قسمتی سے، سب سے بڑا جرم بھی۔

جابز کے دروازے بند ہوتے گئے۔ کئی جگہوں پر انٹرویو میں ہی نہیں بلایا گیا۔ کبھی صاف انکار، کبھی خاموشی۔

میں نے ایک چھوٹے سے کیفے میں ویٹرس کی نوکری کی۔ برتن اٹھانا، صفائی کرنا اور رات گئے برتن دھوتی۔ دل میں یہ سوال دہراتی تھی: "کیا یہی وہ زندگی تھی جس کا وعدہ رب نے کیا تھا؟"

اس صورت حال میں ہر لمحے مجھے حضرت ابراہیمؑ یاد آئے۔

انھیں بھی ان کے والد نے نکالا تھا۔ قوم نے بائیکاٹ کیا۔ آگ میں پھینک دیا۔

اور اللہ نے ان سے کہا:

قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ"

ہم نے کہا: اے آگ! ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا (سورۃ الانبیاء: 69)

مجھے تو کسی نے آگ میں نہیں ڈالا۔ مجھے تو صرف تنہا کیا گیا۔ پھر کیسا گلہ؟

اگر ابراہیمؑ اللہ کے لیے سب کچھ چھوڑ سکتے ہیں، تو میں اپنے رب کے لیے ایک نرم سا راستہ بھی کیوں نہ جھیلوں؟

میری زندگی کی بنیاد بنی یہ آیت:

"قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ"

جب خواب وفا مانگتے ہیں، تو وہ ہمیں رب سے جوڑ دیتے ہیں۔ بس شرط اتنی سی ہے: ہم وفا کرنے والے ہوں۔ قربانی صرف چھری سے ذبح ہونے والے جانور کا نام نہیں، بلکہ دل کے اس جذبے کا نام بھی ہے جو اللہ کے حکم پر اپنی ہر چیز قربان کرنے کو تیار ہو جائے چاہے وہ گھر ہو، رشتہ ہو، یا خواب۔

میں نے رب کی رضا کے لیے قربانی دی اپنے خوابوں کی، اپنے تعلقات کی، اپنی پہچان کی۔ تو کیا رب میری اس قربانی کو قبول نہیں کرے گا؟

بس میں اتنا جانتی ہوں: قربانی جب رب کے لیے ہو، تو وہ ضائع نہیں جاتی۔۔۔ بلکہ وہی قربانی، ہمیں رب کا قرب عطا کر دیتی ہے۔